فقاتل في سبيل الله لا تكلف إلا نفسك وحرض المؤمنين
حطّین
عالمی جہاد کا داعی
شمارہ ۷، ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
فمنهم من قضى نحبه
شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت اور عالمی تحریکِ جہاد
مدیر کے قلم سے
یہ کس کی فوج ہے؟
كنتم خير أمة أخرجت للناس
فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر...... ضرورت ومشروعیت اور آداب واحکام
إن الحكم إلا لله
خلافتِ اسلامیہ اور دیگر نظام ہائے سیاسی
الذين إن مكناهم في الأرض
امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کے فرامین
مصاحبه
شیخ خالد بن عبد الرحمان الحسینان حفظہ اللہ کے ساتھ ادارۂ حطین کی گفتگو
من المؤمنين رجال صدقوا
سیرتِ شیخ سعید رحمہ اللہ...... ایک رفیقِ جہاد کے مشاہدات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حطین (۷)

عالمی جہاد کا داعی

شمارہ ۷، ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

حطین وہ میدان ہے جہاں تاریخ کا ایک عظیم معرکہ لڑا گیا تھا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلمانوں نے صلیبی حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دے کر ان کی کمر توڑ دی تھی۔ یہی جنگ اہلِ کتاب سے مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کا مقدمہ بنی۔

آج امتِ مسلمہ پھر اسی مرحلے سے دوچار ہے۔ آج پھر اہلِ اسلام پر ایک صلیبی جنگ مسلط ہے۔ ہاں البتہ فرق اتنا ہے کہ کل کی صلیبی جنگ میں صرف قبلہء اول مسجدِ اقصیٰ مسلوب تھی تو آج کعبۃ اللہ کی سرزمین بھی یہود و نصاریٰ کے نرغے میں ہے۔ یاد رکھیے کہ موجودہ دور کی صلیبی جنگ کا مقابلہ بھی اسی طرح ممکن ہو گا جس طرح ماضی کی صلیبی جنگوں کا مقابلہ کیا گیا تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت و قربانیوں کے ساتھ...... کیونکہ کل کی صلیبی جنگ کا شکار محض مسلمان تھے، جبکہ آج اسلام بجائے خود ہدف ہے۔ بس یہی حطین کا پیغام ہے!

idara.hitteen@yahoo.com

idara.hitteen@gmail.com

فہرستِ مضامین

----------فہرست----------

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت اور عالمی تحریکِ جہاد

ادارۂ حطین

اس سال امتِ مسلمہ نے ایک ایسے المناک واقعے کا سامنا کیا، جو امت کی تاریخ کے کٹھن واقعات میں سے ایک تھا۔ یکم مئی کو ایبٹ آباد کے علاقے میں امتِ مسلمہ کے عظیم قائد شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے امریکیوں کے خلاف لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا اور دارِ فانی کو الوداع کہتے ہوئے دار الخلد کو ہو چلے۔

بے شک یہ تعزیت کا مقام ہے کہ ہمارے قائد ہم سے رخصت ہو گئے ہیں۔ آج آپ کی شہادت کی خبر ہر درد مند دل کو گھائل کیے جاتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بسنے والا مظلوم مسلمان خواہ وہ عراق کا کوئی بوڑھا ہو، بوسنیا کی بڑھیا ہو، بیت المقدس کی نوجوان بہن ہو یا افریقہ کا مسلم بچہ ہو، ہر کوئی شیخ اسامہ کے فراق پر اشک بار ہے کیونکہ ظلم کی ہر گھڑی میں جب ان مظلوموں کو مایوسی کے سائے اپنی لپیٹ میں لینے لگتے تھے تو انھیں اللہ رب العزت کے طفیل ایک ہی امید کی کرن نظر آتی تھی اور ایسے میں ان کی فغاں 'وا أساماہ' کی صورت میں ہی نکلتی تھی۔

.........یقیناً یہ گھڑی امتِ مسلمہ کے لیے غمناک ہے کہ اسے عزت و عظمت کی منزل سے سر فراز کرنے والا رہبر اس سے بچھڑ گیا ہے، جس نے اس صدی میں کفارِ عالم اور ان کے سر غنہ امریکا کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، مسلم علاقوں میں تحریکِ جہاد بپا کی اور امت کے دفاع کی بنا رکھی۔

.........بلاشبہ یہ لمحات مسلمانوں کے لیے افسردگی کا باعث ہیں کہ ان کے مقدسات کا محافظ آج ان میں موجود نہیں، جس نے اپنی ساری زندگی صلیبیوں کے گھیرے سے 'حرمین' کی خلاصی اور یہودیوں کے تسلط سے 'بیت المقدس' کی آزادی کے لیے وقف کیے رکھی اور بارہا اپنی اس تاریخ ساز قسم کا اعادہ کیا کہ: "میں اللہ ربِ عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں، جس نے آسمان کو بغیر کسی سہارے کے بلند کیا، کہ امریکہ اور اس میں بسنے والے اس وقت تک خواب میں بھی امن کا تصور نہیں کر سکتے جب تک ہمیں فلسطین میں حقیقی امن میسر نہ آجائے اور جب تک کفار کی تمام فوجیں نبی ﷺ کی سرزمین سے نکل نہ جائیں"۔

.........اور یہ ساعتیں مجاہدین پر تو بہت بھاری ہیں کہ انھیں راہِ حق سے روشناس کرانے اور پون صدی تک ان کی قیادت کرنے والا عظیم انسان آج انھیں داغِ مفارقت دے چکا ہے، جس نے اپنی جوانی میں اکیلا راہِ شوق کا آغاز کیا تھا مگر وہ اپنے عزم میں سچا تھا، اور اس کی صداقت کے طفیل دنیا کی تمام حکومتوں کی مخالفت کے باوجود اس شخص نے ایسی جماعتِ مجاہدین کھڑی کی جو آج دنیا کے مختلف خطوں میں کفارِ عالم اور ان کے سرغنہ امریکا کے خلاف برسرِ پیکار ہے، اور اس وقت تک پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں؛

- ⟸ جب تک امریکا اور اس کے حواری مسلم سرزمینوں سے بھاگ نہ جائیں،
- ⟸ جب تک مسلمان اپنی تمام مقبوضہ سرزمینیں واپس نہ لے لیں،
- ⟸ جب تک دنیائے عالم میں خلافتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں نہ آجائے،
- ⟸ اور جب تک دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند اور توحید کا بول بالا نہ ہو جائے۔

یہی وہ حقیقت ہے، جو غم کے اس موقع پر بھی ہمت و حوصلے اور استقامت کا سامان فراہم کر رہی ہے، زخم پر مرہم کا کام دے رہی ہے اور مسلمانوں کی ڈھارس بندھا رہی ہے۔ آج شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ نے غلبۂ دین کی راہ کو اپنی شہادت اور اپنے خون سے منور کر دیا ہے، اور آپ کی محنت کے طفیل امت میں فریضۂ جہاد زندہ اور بیداری کی لہر پیدا ہو چکی ہے۔ ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب امتِ مسلمہ بیک وقت افغانستان و پاکستان، یمن و جزیرۂ عرب، عراق، صومالیہ اور قوقاز میں اسلام کا غلبہ دیکھے گی اور یہ سلسلہ بڑھتے ہوئے بیت المقدس و حرمین تک پہنچے گا اور یوں ان خطوں پر مشتمل ایک عظیم خلافتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آئے گا۔

پس شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت کی خبر امت کے لیے غمناک تو ہے مگر ہرگز مایوسی کی حامل نہیں، بلکہ یہ خبر اپنے ساتھ فرحت و اطمینان کا عجیب احساس لیے ہے کہ شیخ نے ایک طرف شہادت کی اپنی ازلی تمنا پوری فرمائی اور دوسری طرف مجاہدین کا ایک عظیم گروہ اپنے ورثے میں چھوڑا جو آج پوری آب و تاب سے کفر کے خلاف اور مسلمانوں کے دفاع میں برسرِ پیکار اور اپنی منزل کی طرف گامزن ہے،والحمد للہ رب العالمین!

ضرورت اس امر کی ہے کہ امتِ مسلمہ مجاہدین کے شانہ بشانہ کھڑی ہو جائے اور اس وقت تک پیچھے نہ ہٹے جب تک ہم اپنے خطوں میں اسلام کا غلبہ اور شریعتِ اسلامیہ کی حکمرانی نہ دیکھ لیں اور جو اگلے مرحلے میں خلافتِ اسلامیہ کا روپ دھارے۔

ہم دنیا بھر کے مجاہدین خصوصاً القاعدہ کی قیادتِ عامہ، امارتِ اسلامیہ افغانستان، امارتِ اسلامیہ عراق، پاکستان، جزیرۂ عرب اور الجزائر میں قائم تنظیم القاعدہ، حرکۃ الشباب المجاہدین (صومالیہ)، تحریکِ طالبان پاکستان اور جماعۃ التوحید والجہاد (فلسطین) کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت پر غم کے باوجود اپنے مقصد سے وابستگی اور عزمِ نو کا اظہار کیا، اور امت کو حوصلے کا وافر ساماں مہیا کیا۔

ہم یہاں دعوت وابلاغ سے وابستہ ان بھائیوں کو بھی خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس موقع پر زبان و قلم سے شیخ اسامہ رحمہ اللہ سے دلی وارفتگی اور محبت کا اظہار کیا اور آپ کی دعوت کو عام کرنے کی حتی الامکان سعی کی۔ اس ضمن میں عرب و عجم کے بہت سے قابلِ قدر علمائے کرام، صحافی حضرات، انٹرنیٹ کی دنیا میں دعوتِ جہاد سے منسلک ہمارے مجاہد بھائی، اور کچھ صحائف ورسائل لائقِ تحسین ہیں۔ اسی طرح ہم خصوصی طور پر ماہنامہ 'نوائے افغان جہاد' کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے محسنِ امت شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی یاد میں خصوصی شمارہ شائع کیا جس میں آپ رحمہ اللہ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا اور ایک تاریخی دستاویز محفوظ کر دی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو دنیا وآخرت میں اس کے بدلے بہترین جزاء سے نوازیں اور اپنی رضاء سے نوازیں، آمین۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے محبوب و محترم شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور وہاں آپ کی بہترین مہمانی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، انبیاء، صدیقین، شہداء وصالحین کی رفاقت اور اپنی معیت سے سرفراز فرمائیں، اور آپ کو ہمارے بدلے اور پوری امت کے بدلے بہترین اجر سے نوازیں، آمین!

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين!

مدیر کے قلم سے

یہ کس کی فوج ہے؟

قاری عبد الہادی

حال ہی میں پاکستان کی سرزمین پر پے درپے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں، جنہوں نے ہر صاحبِ فہم شخص کو پاکستان کی افواج اور خفیہ ایجنسیوں کے کردار کے بارے میں سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ پہلے ایبٹ آباد میں مسلمانانِ عالم کی غیرت و حمیت کی علامت ، کفارِ عالم کے خلاف جہاد و مزاحمت کے نشاں، شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو ان کے بیٹے اور دوساتھیوں سمیت شہید کیا گیا اور پاکستانی ایجنسیوں نے آپ کے گھر کی خواتین کو گرفتار کرکے خفیہ قید خانوں میں ڈال دیا۔ اس سے چند دن قبل پاکستانی فوج اور خفیہ ایجنسیوں نے ایبٹ آباد ہی میں ایک کارروائی کے دوران انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والے جہادی قائد، عمر پاتک کو گرفتار کیا۔ امریکہ و آسٹریلیا کو مطلوب اس مجاہد کو گرفتار کرنے کے بعد ان کی اہلیہ کو تمام اہلِ محلہ کے سامنے برہنہ کرکے فوجی گاڑی میں ڈالا گیا۔ پھر بلوچستان کے علاقے خروٹ آباد میں پولیس اور فوج کے اہلکاروں نے نہتی شیشانی بہنوں کو شہر کی ایک مرکزی شاہراہ پر رسیوں سے باندھا اور گولیوں سے بھون کر شہید کرڈالا۔ پھر پاکستانی دارالحکومت اسلام آباد سے معروف صحافی سلیم شہزاد کو اغواء کیا گیا اور چند روز بعد آئی ایس آئی اہلکاروں نے اسے قتل کر کے منڈی بہاؤ الدین کے علاقے میں اس کی لاش پھینک دی۔ اور اس کے بعد پورے پاکستان نے دہشت و خوف کے عالم میں ٹی وی سکرینوں پر کراچی کے ایک عام شہری سرفراز شاہ کو رینجرز کے ہاتھوں دن دیہاڑے قتل ہونے کا منظر دیکھا۔ ان واقعات کے میڈیا پر آجانے کے بعد کئی اصحابِ علم و دانش اور تجزیہ نگار و مبصرین نے یوں حیرت کا اظہار کیا گویا فوج کے ہاتھوں ایسے جرائم کا ارتکاب کوئی

انہونا امر تھا۔ یقیناً اس خطے، بالخصوص پاکستانی فوج کی تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس اظہارِ حیرت پر، حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ذیل کی سطور میں ہماری کوشش ہوگی کہ تاریخی و دستاویزی حقائق کی مدد سے اسی حیرت کو دور کرنے کی کوشش کریں جن میں یہ مختلف حضرات مبتلا نظر آرہے ہیں۔

پاکستانی فوج کی قبل از قیامِ پاکستان تاریخ

اگرچہ خود پاکستان کا قیام عمل میں آئے ابھی محض ۶۴ سال گزرے ہیں، لیکن پاکستانی فوج کی بنیاد اس سے ایک صدی قبل ہی، سن ۱۸۴۹ء میں ڈال دی گئی تھی۔ شاید اسی لئے نہ صرف یہ فوج عمر میں اس ملک سے تقریباً سو سال بڑی ہے، بلکہ عملاً بھی اس ریاست کے ہر شعبے پر سو فیصد حاوی ہے۔ فوج یہاں اصل ہے اور باقی ہر شے اس کی فرع۔ لہٰذا فوج کی قبل از قیامِ پاکستان کی صد سالہ تاریخ جاننا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا بعد از قیامِ پاکستان تاریخ سمجھنا اہم ہے۔

برطانوی ہندوستان کی "صدارتی افواج"

۱۷۵۷ء میں جنگِ پلاسی میں فتح یاب ہونے کے بعد برطانیہ درجہ بدرجہ پورے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرتا گیا۔ برطانوی قیادت یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ اس نے ہندوستان پر بزورِ قوت قبضہ جمایا ہے اور یہ قبضہ برقرار رکھنے کے لئے بھی اسے قوت کا سہارا لینا پڑے گا۔ اسی بات کا اظہار بمبئی کے ایک برطانوی گورنر نے ان الفاظ میں کیا:

"ہم نے ہندوستان کو تلوار کے زور سے قابو کر رکھا ہے۔ اگر ہم اپنی فوجی برتری برقرار نہ رکھ پائے تو ہمارا اقتدار بہت تیزی سے ختم ہو جائے گا"۔[1]

چنانچہ ہندوستان پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ نے ایک بھرپور فوج منظم کرنا شروع کی۔ فوجی قوت کے بل پر کسی قوم کو غلام بنانے کا عمل تو تاریخ میں پہلے بھی ہوتا رہا ہے، لیکن ایسا کم ہی ہوا ہو گا کہ کسی قوم کو اسی قوم کے سپاہیوں کی مدد سے غلام بنایا گیا ہو۔ برطانیہ نے اہلِ ہند کو

[1] Colonel J. Mac Donald, Secretary to Government of Bombay, Military Department, 29th June 1875, in Paramilitary Papers, 1877, Vol. 62

غلام بنانے کے لئے ایک ایسی فوج تشکیل دینے کا فیصلہ کیا جس کی کمان تو یورپی افسروں کے ہاتھ میں ہو، لیکن جس کی سپاہ سب کی سب ہندوستانیوں پر مشتمل ہوں۔ اس فوج کو برطانیہ نے بتدریج منظم کرتے ہوئے تین "صدارتی افواج" (Presidential armies) کی صورت میں ترتیب دیا۔ یہ تین افواج درج ذیل تھیں:

- بنگال آرمی
- بمبئی آرمی
- مدراس آرمی

مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) پر انگریز کا قبضہ

۱۹ویں صدی کے ابتدائی حصے تک انگریز نے ہندوستان کے مشرقی، جنوبی اور وسطی علاقوں پر اپنا قبضہ نسبتاً مستحکم کر لیا تھا۔ اس وقت لاہور پر سکھوں کی حکومت تھی۔ سکھوں کی سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں موجودہ نقشے کے اعتبار سے پاکستانی پنجاب، بھارتی پنجاب، کشمیر، صوبہء سرحد کے بندوبستی علاقہ جات اور پنجاب کی سرحد پہ واقع سندھ کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۳۰ء کے درمیان سید احمد شہید رحمہ اللہ کی برپا کردہ تحریکِ مجاہدین نے سکھوں سے مردان، بونیر، پشاور اور کئی ملحقہ علاقے آزاد کرا لئے اور وہاں سید صاحب کی قیادت میں ایک باقاعدہ شرعی امارت قائم ہو گئی۔

۱۸۳۱ء میں سید صاحب اور ان کے معتمد رفیق اور وقت کے معروف عالمِ دین شاہ اسماعیل شہید رحمہا اللہ نے سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر جامِ شہادت نوش کیا تو وقتی طور پر یہ تحریک کمزور پڑ گئی۔[۲] دوسری طرف سن ۱۸۳۹ء میں سکھ حکمران رنجیت سنگھ کی موت کے بعد باہمی اختلافات کے سبب سکھوں کا اقتدار کمزور ہوا۔ انگریزوں نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر دو مضبوط حملے کئے اور سکھوں کی باقی ماندہ قوت بھی ختم کر دی۔ یوں ۱۸۴۹ء کے اختتام تک سکھوں کی پوری سلطنت پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

---

[۲] تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخِ دعوت و عزیمت، از سید ابو الحسن ندوی رحمہ اللہ، جلد ششم، حصہ اول اور دوم

انگریز جہاں ایک طرف پنجاب اور سرحد میں سکھ اقتدار کو ختم کر رہے تھے، وہیں دوسری طرف وہ سندھ اور بلوچستان پر بھی اپنا قبضہ مستحکم کرنے میں مصروف تھے۔ سندھ پر ٹالپور خاندان کے مسلمان امراء کی حکومت تھی، جو پہلے داخلی اختلافات کے سبب کمزور ہوئی اور سندھ کی وسیع سلطنت خیرپور اور میرپور کی دو علیحدہ حکومتوں میں بٹ گئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے ۱۸۴۳ء میں میانی کے مقام پر شدید جنگ کے بعد امیرانِ سندھ کو شکست دی اور ساحلِ سمندر سمیت سندھ کا بیشتر علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔[۳] نیز ۱۸۳۹ء تک انگریزوں نے قلات پر بھی قبضہ کر لیا اور ۱۸۴۲ء میں وہاں پولیٹکل ایجنٹ کا نظام نافذ کر دیا گیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ بلوچستان کے دیگر علاقوں

[۳] تاریخِ دعوت و عزیمت، از سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ، جلد ششم، حصہ اوّل، ص ۲۷۰

پر بھی وہ اپنی گرفت مستحکم کرتے گئے یہاں تک کہ ۱۸۷۶ء میں کوئٹہ پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔[۴] انگریزوں نے ان عسکری فتوحات میں 'بنگال آرمی' اور 'مدراس آرمی' کو استعمال کیا اور کامیابی کے بعد مغربی ہندوستان میں زیادہ تر بنگال آرمی کے افسر و سپاہی تعینات کئے گئے۔[۵]

"فرنٹیئر فورس" کا قیام

پنجاب اور سرحد کے شہری علاقوں پر قبضے کے بعد انگریزوں کو پہلا مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اپنی مغربی سرحد کو کیسے محفوظ بنایا جائے۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے وقتی دھچکے کے بعد تحریکِ مجاہدین آہستہ آہستہ دوبارہ منظم ہو رہی تھی، یہاں تک کہ ۴۶-۱۸۴۵ء میں بالاکوٹ، گڑھی حبیب اللہ، مانسہرہ اور مظفر آباد کے علاقوں پر محیط ایک باقاعدہ شرعی امارت قائم ہو چکی تھی، جس کے امیر خطہء بنگال سے تعلق رکھنے والے مولانا عنایت علی عظیم آبادی تھے۔[۶] ان مجاہدین سے نمٹنے اور پشاور، مردان، کوہاٹ اور دیگر مقبوضہ علاقوں پر قبائلی مسلمانوں اور مجاہد دستوں کے حملے روکنے کے لئے ۱۸۴۹ء میں انگریز نے ایک نئی قوت، "فرنٹیئر فورس" (Punjab Irregular Frontier Force) قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ "فرنٹیئر فورس" کی دس رجمنٹیں منظم کی گئیں، جنہیں قبائلی علاقہ جات کی سرحد کے ساتھ ساتھ ڈیرہ اسماعیل خان، کوہاٹ، بنوں اور پشاور میں متعین کیا گیا۔ ان دس رجمنٹوں میں سے پانچ پیادہ اور پانچ سوار رجمنٹیں تھیں۔ ہر رجمنٹ کی اعلیٰ کمان چار یورپی افسران کے ہاتھ میں ہوتی تھی، جن کے تحت سولہ (۱۶) مقامی افسر اور نو سو (۹۰۰) مقامی سپاہی کام کرتے تھے۔ مقامی سپاہیوں میں غالب اکثریت کا تعلق مقبوضہ علاقوں کی پشتون اقوام سے تھا، جبکہ پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے مسلمان، سکھ اور ہندو بھی نسبتاً کم تعداد میں موجود تھے۔[۷] فرنٹیئر فورس کا قیام ہی در اصل پاکستانی فوج کا غیر رسمی نقطہء آغاز ہے۔ یہ فرنٹیئر فورس رجمنٹ آج بھی

---

[۴] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا سافٹ وئیر ۱۰

[۵] (دی گیریزن سٹیٹ) The Garrison State; The Government, Military & Society in Colonial Punjab, 1849-1947, by Tan Tai Yong; page 39.

[۶] موجِ کوثر، از شیخ محمد اکرام، صفحہ ۵۱

[۷] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۳۷

پاکستانی فوج کا جزو ہے اور اس کا نام تک تبدیل کرنے کی زحمت نہیں کی گئی، تاکہ اس 'روشن تاریخ' سے رشتہ برقرار رہ سکے۔ فوج میں اس رجمنٹ کو بالاختصار "Piffers" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پاکستانی بری فوج کے دو سابقہ سربراہ جنرل موسیٰ خان اور جنرل عبدالوحید کاکڑ کا تعلق اسی رجمنٹ سے تھا۔ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قبل از قیامِ پاکستان اور بعد از قیامِ پاکستان کی افواج میں محض یہ اسمی اشتراک ہی نہیں، بلکہ عملاً بھی پاکستانی فوج اور ایف سی، آج قبائلی علاقہ جات اور سوات میں انہی مقاصد کو پورا کرنے میں تن دہی سے مصروف ہے جن کے حصول کی خاطر انگریز نے تقریباً ایک سو ساٹھ سال قبل فرنٹیئر فورس تشکیل دی تھی۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہو گا کہ اسی رجمنٹ کے 'جوانوں' نے ۱۹۹۳ء میں صومالیہ[۸] کے مسلمانوں اور وہاں موجود شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے مجاہد ساتھیوں کے خلاف لڑائی میں بھی اپنی بھرپور خدمات پیش کی تھیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ!

۱۸۵۷ء کے جہاد (کو کچلنے) میں پاکستانی فوج کی رجمنٹوں کا کردار[۹]

برصغیر کا کوئی بھی باحمیت مسلمان انگریز کی غلامی تلے جینے پر راضی نہیں تھا۔ پھر انگریزوں کی عیسائیت پھیلانے کی مہمات اور مقامی آبادی پر وحشیانہ مظالم دلوں میں مزید نفرتیں بھر رہے تھے۔ اسی جذبہء نفرت کو تحریکِ مجاہدین سے وابستہ علمائے کرام نے درست سمت دی اور انگریز کی فوج میں کام کرنے والے مسلمانوں کو بغاوت پر ابھارا۔ ایک طرف بنگال میں مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی رحمہا اللہ کے شاگردوں اور معتقدین نے فوجی حلقوں میں خصوصی محنت کی[۱۰]، تو دوسری طرف مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہا اللہ جیسے نمایاں علمائے وقت بھی اپنے متبعین سمیت میدانِ جہاد میں اتر آئے۔ بالآخر ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں بنگال آرمی کی دو پیادہ رجمنٹوں اور ایک سوار رجمنٹ میں بغاوت پھوٹ پڑی۔

---

[۸] 'We Are Soldiers', a documentary film series produced by DAWN News Channel.

[۹] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۴۰ تا ۴۵، عنوان: پنجاب اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت

[۱۰] سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: ۲۵۴ (انگریزوں کی فوج میں مجاہدین کا تداخل)

جنگِ آزادیٔ ہند ۱۸۵۷ء
وہ علاقے جہاں سے بغاوت بلند ہوئی
وہ ریاستیں جن کی افواج نے بغاوت کی مگر حکومتیں انگریز سے وفادار رہیں
بغاوت سے متاثرہ برطانوی علاقے
وہ علاقے جہاں سے انگریز کو مدد ملی
غیر جانب دار ریاستیں
مستحکم برطانوی قبضہ
افغانستان
کشمیر
پنجاب
میرٹھ
دہلی
راجپوتانہ
اودھ
سندھ
آسام
بہار
ڈھاکہ
بنگال
چاندپور
جیسور
ناگپور
بمبئی
حیدر اباد

مقامی فوجیوں نے اپنے یورپی افسران کو قتل کر کے میرٹھ اور قریبی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے دہلی کا رخ کیا اور چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دہلی کے بڑے حصے سے انگریز کو بے دخل کر کے بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کا بااختیار بادشاہ بنا دیا۔ بغاوت کی اس آگ نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے وسطی و شمالی ہندوستان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

یہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو پیش آنے والا سب سے بڑا خطرہ تھا۔ برطانوی قیادت ایک کٹھن صورتِ حال سے دوچار تھی۔ ایک طرف شمالی اور وسطی ہندوستان پر برطانوی گرفت عملاً ختم ہو چکی تھی، تو دوسری طرف بغاوت کی یہ لہر پنجاب، سرحد اور سندھ میں موجود 'بنگال آرمی' تک پھیل جانے کا خدشہ بھی قوی تھا۔ ایسے میں برطانوی فوجی قیادت نے کچھ فوری اقدامات اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے پنجاب اور سرحد کو محفوظ بنانے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب و سرحد میں موجود یورپی افسروں کی کل تعداد دس ہزار تین سو چھبیس (۱۰،۳۲۶) تھی۔ ان یورپی افسروں نے 'فرنٹیئر فورس' کے تیرہ ہزار چار سو تیس (۱۳،۴۳۰) مقامی سپاہیوں کو ساتھ لیتے ہوئے پہلے پنجاب کی فوجی چھاؤنیوں میں موجود تمام بھاری اسلحہ اور فوجی ذخیرہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کے بعد اس خطے میں تعینات بنگال آرمی کے تمام غیر یورپی فوجیوں سے ہتھیار ڈلوائے گئے، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق بنگال اور اس کے قریبی علاقوں سے تھا۔ یوں فرنٹیئر کور کی خدمات بروئے کار لاتے ہوئے امرتسر، لاہور، ملتان اور جہلم میں متعین کل تیرہ ہزار (۱۳،۰۰۰) فوجیوں سے ہتھیار واپس لینے کا عمل پرامن طریقے سے مکمل کر لیا گیا۔

مغربی ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد برطانوی قیادت نے دہلی اور اس کے گرد ونواح میں موجود فوج کی مدد کے لئے پنجاب سے کمک روانہ کی، جو کہ زیادہ تر یورپی سپاہ ہی پر مشتمل تھی۔ مگر دہلی کی فوج کے قائد جنرل آرتھر ولسن نے یہ کہتے ہوئے مزید کمک طلب کی کہ: اگر ایسا نہ کیا گیا تو دہلی واپس لینا تو در کنار، خود اپنا دفاع کرنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ اس نازک اور تاریخی موقع پر، جب پورے ہندوستان کا مستقبل ایک اہم دوراہے پر کھڑا تھا اور ہندوستانی مسلمان انگریزی اقتدار سے نجات پانے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہے تھے؛ برطانیہ نے اس مبارک جہادی تحریک کو کچلنے کے لئے ایک نئی قوت کھڑی کرنے کا فیصلہ کیا۔ مئی سے دسمبر ۱۸۵۷ء کے درمیان پنجاب و سرحد سے ۳۴،۰۰۰ نئے فوجی بھرتی کئے گئے جن میں سکھوں اور ہندوؤں کے علاوہ خود کو مسلمان کہلانے والے بھی بڑی تعداد میں شامل تھے۔ ان فوجیوں نے بنگال آرمی کے ان مقامی سپاہیوں کی جگہ سنبھالی

جن سے ہتھیار ڈلوائے گئے تھے، نیز انہی کو منظم کر کے اٹھارہ (۱۸) نئی پیادہ رجمنٹیں بھی تشکیل دی گئیں۔ یہی وہ قوت تھی جس کی مدد سے برطانیہ نے دہلی واپس لیا اور بالآخر جون ۱۸۵۸ء تک یہ مبارک جہادی تحریک کچل ڈالی گئی۔ انہی بدبختوں کی مدد سے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا، ان کی املاک تباہ کی گئیں، ہزارہا علماء کو پھانسیاں دے کر نشانِ عبرت بنایا گیا اور مسلمان خواتین کی آبروریزی کی گئی۔ کتنی ہی خواتین نے اپنی عزتیں بچانے کے لئے کنوؤں میں چھلانگیں لگائیں۔ مولوی ذکاءاللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کنوؤں میں اس قدر عورتیں گریں کہ پانی میں ڈوبنے کی جگہ نہ رہی۔ پھر ان پر اور عورتیں گریں اور وہ ڈوب نہ سکیں''۔[۱۱]

دہلی پر قبضے کے بعد کا منظر بیان کرتے ہوئے انگریز جرنیل لارڈ روبرٹس لکھتا ہے:

''دہلی واقعی شہرِ خموشاں بنا ہوا تھا۔ ہمارے گھوڑوں کے سموں کی آواز کے سوا وہاں کوئی آواز نہ تھی۔ ہر طرف لاشیں پڑی تھیں۔ ہر لاش گل سڑ رہی تھی۔ یہ مناظر بڑے ہی خوفناک اور دل دہلا دینے والے تھے۔ کتے لاشوں کے اعضاء بھنبھوڑ رہے تھے۔ بعض لاشوں کو گدھ کھا رہے تھے۔ .... ہمارے گھوڑوں پر بھی دہشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ بدکتے اور نتھنے پھلا کر عجیب سی آوازیں نکالتے تھے''۔[۱۲]

'فاتح فوج' مسلمانوں کے گھروں میں موجود تجارتی مال، سونا چاندی، نقدی، کتابیں اور گھریلو سامان، حتیٰ کہ چارپائیاں تک اٹھا کر ساتھ لے گئی۔[۱۳] الغرض، ظلم کا ہر ممکنہ حربہ استعمال کیا گیا تاکہ مسلمان دوبارہ کبھی جہاد کا نام لینے کی جرأت نہ کریں۔

۱۸۵۷ء کی جہادی تحریک کو کچلنے میں مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) کی رجمنٹوں نے جو مکروہ کردار ادا کیا، وہ برطانوی فوجی قیادت کے لئے بھی خوشگوار طور پہ حیران کن تھا۔ ایک معروف انگریز مصنف نے اس زمانے میں لکھا کہ:

---

[۱۱] سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص:۴۶۷

[۱۲] Forty one Years of India, by Roberts

[۱۳] سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص:۴۶۸

"سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ 'غدر' کے دوران اگرچہ عام طور پر یہ سمجھا جارہا تھا کہ انگریزوں کی جنگ ہندوستانیوں کے خلاف ہے، مگر اس جنگ کربر قرار رکھنے اور اس کو مدد پہنچانے کے ذمہ دار بھی دیسی لوگ ہی تھے ......جو کام ان کے سپرد کیا جاتا اسے بڑی تندہی اور وفاداری سے سر انجام دیتے، گویا کہ ہمارے اور ان کے درمیان کچھ بھی مخاصمت اور جدائی نہیں اور نہ ہمارے اور ان کے مفادات جدا ہیں........ اگر یہ دیسی مزدور نہ ہوتے تو نہ ہماری فوج کو کھانا ملتا، نہ ہمارے گھوڑوں کو چارہ مہیا ہوتا، نہ ہماری توپوں میں گولے ڈالے جاسکتے اور نہ ہی ہمارے بھاری اسلحے کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کیا جاسکتا۔ اور تو اور، ہم اپنے مردوں اور زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھانے کے قابل بھی نہ ہوتے۔ مگر ہمارے یہ دیسی ملازم ہر حال میں ہمارے وفادار رہے اور صرف چند ماہانہ روپوں کی خاطر یہ کرائے کے ٹٹو ہمارے ساتھ چمٹے رہے اور انہوں نے کبھی خیال نہیں کیا کہ ایسا کرنا ان کے لئے کتنی بے غیرتی کی بات ہے!"[14]

چنانچہ برطانوی فوج نے جنگ کے بعد بھی ان وفادار فوجیوں کو نوکری پر بحال رکھنے کا فیصلہ کیا۔ نیز بنگالی فوجیوں کے باغیانہ رجحانات دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ 'بنگال آرمی' میں پنجاب و سرحد کے فوجیوں کا تناسب بتدریج بڑھایا جائے گا اور بنگالی فوجیوں کا تناسب بتدریج کم کیا جائے گا۔ یہ پہلی بار تھا کہ مغربی ہندوستان کے لوگوں کو فرنٹیئر فورس (جو کہ ایک نیم فوجی فورس تھی) سے آگے بڑھ کر برطانیہ کی باقاعدہ فوج میں بھی شامل کیا جارہا تھا۔ بھرتی کا یہ سلسلہ بتدریج جاری رہا، یہاں تک کہ سن ۱۸۷۰ء تک بنگال آرمی میں پنجاب و سرحد کے فوجیوں کا تناسب بڑھ کر ۳۵ فیصد تک پہنچ گیا۔[15] اس کے علاوہ، ایک قلیل سی تعداد میں بلوچ قومیت کے لوگ بھی فوج میں شامل ہوئے۔

مغربی ہندوستان سے بھرتی کی جانے والی یہ رجمنٹیں بھی آج تک پاکستانی فوج میں انہی ناموں کے ساتھ برقرار ہیں جو ۱۸۵۷ء کے جہاد کے وقت انہیں انگریز نے عطا کئے تھے!

---

[14] سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۳۶۲ (بحوالہ: Kaye, Volume II, Page: 454-455)

[15] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۵۵

افغانستان کی سمت سے خطرات اور پاکستانی فوج کی تاسیسِ اوّل[16]

۱۸۴۸ء میں برطانیہ نے افغانستان پر حملہ کر کے اپنے وفادار سردار دوست محمد خان کو کابل کا حاکم مقرر کیا۔ ۱۸۶۳ء میں دوست محمد خان کی وفات کے بعد برطانیہ افغان تعلقات بتدریج کشیدہ ہوتے چلے گئے اور افغانستان کا نیا امیر برطانیہ سے سرکش ہو کر روس سے قربتیں بڑھانے لگا۔ اسی پس منظر میں، سن ۱۸۷۸ء میں دوسری برطانیہ افغان جنگ کا آغاز ہوا اور برطانیہ نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد یعقوب خان نامی آلہ ءکار کو کابل کا نیا امیر مقرر کیا۔ افغانستان کے پہاڑوں سے ٹکرانے کے بعد برطانیہ نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ افغان قوم کو بزورِ قوت غلام بنانا ناممکن ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے سامنے بنیادی ہدف بس یہی رکھا کہ افغانستان میں ایک ایسی حکومت موجود ہو جو اس کی مغربی سرحدات کے لئے کسی خطرے کا باعث نہ بنے۔ نیز برطانیہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ افغانستان اب اس کے اور روس کے درمیان سیاسی رسہ کشی کا ایک مستقل میدان بنا رہے گا۔ اسی لئے اس نے:

- ہندوستان کی مغربی سرحدات کی حفاظت کرنے،
- روسی خطرے سے نمٹنے،
- اور انگریز کے نمک خوار کرزئی نما حکمرانوں کے خلاف افغان عوام کی ممکنہ بغاوتیں کچلنے

کی غرض سے مغربی ہندوستان (یعنی موجودہ پاکستان) میں اپنی فوج کو مزید مضبوط و منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ معروف برطانوی جرنیل لارڈ روبرٹس، جو پہلے فرنٹیئر فورس کا سربراہ رہا، پھر افغانستان پر حملے کی قیادت کی اور ۱۸۸۵ء میں بنگال آرمی کا سربراہ مقرر کیا گیا، اور برطانوی جرنیل جنرل جورج میک مَن (Mac Munn)؛ دونوں ہی اس بات کے پر زور داعی تھے کہ مذکورہ بالا اہداف حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ برطانوی قابض فوج برصغیر کی بہترین جنگجو نسلوں پر مشتمل ہو۔ چنانچہ برطانوی جرنیلوں نے برصغیر کی مختلف اقوام کے ساتھ اپنے تجربات کی روشنی میں کچھ مخصوص علاقوں میں پائی جانے والی مخصوص اقوام کو ''جنگجو نسلیں''(martial races) قرار دیا۔ ان اقوام کو محض ان کی جنگی صلاحیتوں کے سبب نہیں چنا گیا، بلکہ ان کی برطانوی حکومت سے وفاداری اور ان کی معاشی

---

[16] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۵۷ تا ۷۱

تنگ دستی وغیرہ جیسے عوامل بھی مدِ نظر رکھے گئے۔ برطانیہ کی چنیدہ جنگجو نسلوں والے ان علاقوں میں سب سے نمایاں اضلاع درج ذیل تھے:

- ضلع جہلم
- ضلع راولپنڈی
- ضلع اٹک
- ضلع کوہاٹ
- ضلع بونیر[۱۷]

[۱۷] ”جنگجو نسلوں“ (martial races) کا خرافاتی فلسفہ خود ایک تفصیل طلب موضوع ہے، جس کو گہرائی سے سمجھنے کے لئے سنگاپور یونیورسٹی کے پروفیسر ٹان ٹائی یونگ کی معروف کتاب: 'دی گیریزن سٹیٹ' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۱۸۸۵ء میں جب جنرل روبرٹس نے بنگال آرمی کی قیادت سنبھالی تو نہ صرف بنگال آرمی، بلکہ مدراس اور بمبئی آرمی میں بھی غیر جنگجو نسلوں کی جگہ اِن وفادار جنگجو نسلوں کو بھرتی کرنے کا عمل تیزی سے شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ جنرل روبرٹس کے بعد لارڈ کچنر (Kitchener) نے بھی جاری رکھا۔ نیز اس نے ہندوستان میں موجود پوری برطانوی فوج کی تنظیمِ نو بھی کی۔ کچنر نے ۱۹۰۳ء تک مدراس، بنگال اور بمبئی کی صدارتی افواج کو باہم ضم کر کے ایک مرکزی کمان کے تابع کر دیا۔ پھر اس ''شاہی ہندی فوج'' (Royal Indian Army) کو چار علاقائی کمانوں میں تقسیم کیا؛ یعنی بنگال، پنجاب (جس کے تحت فرنٹیئر فورس بھی شامل تھی)، مدراس اور بمبئی کی کمان۔ چونکہ یہ ساری تبدیلیاں افغانستان اور روس سے درپیش خطرات کے تناظر میں کی گئی تھیں، اس لئے 'پنجاب کی فوجی کمان' افغانستان کے سب سے قریب واقع ہونے کے سبب مرکزی اہمیت اختیار کر گئی۔ نیز مغربی ہندوستان کے چار اہم علاقوں: پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر گرفت مضبوط رکھنا بھی اسی کمان کے ذمے لگا۔ پھر اس کی اہمیت کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ سن ۱۹۰۰ء تک پورے ہندوستان میں پھیلی شاہی ہندی فوج کی آدھی سے زائد (50.6 فیصد) نفری وہ 'جنگجو نسلیں' فراہم کر رہی تھیں، جن کی اکثریت پنجاب و سرحد کے علاقوں سے تعلق رکھتی تھی۔ قابض برطانوی افواج کی یہی 'پنجاب کی فوجی کمان'، درحقیقت آج کی پاکستانی فوج کا دل ہے۔ **پس اس کمان کے باقاعدہ قیام کو پاکستانی فوج کی تاسیسِ اوّل اور لارڈ کچنر کو پاکستانی فوج کا مؤسسِ اوّل کہنا کچھ زیادہ غلط نہ ہو گا۔**

یہ پورا پس منظر سمجھ لینے کے بعد اس نتیجے تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا کہ (۸۰ء کی دہائی میں) پاکستانی فوج نے اگر روس کے خلاف جہاد میں مجاہدین کی کوئی مدد کی، تو وہ کسی دینی سوچ سے زیادہ اسی برطانوی سوچ کا مظہر تھی جو روس کو اپنے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھتی تھی[۱۸]۔ اسی طرح اگر پاکستانی فوج آج افغانستان کی طالبان تحریک کو کوئی مدد فراہم کرے تو اس کا سبب بھی یہ نہیں ہو گا کہ فوج کی قیادت شرعی نظام کو غالب دیکھنے کے لئے بے چین ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ فوجی قیادت سب سے پہلے

---

[۱۸] یہ بات خارج از امکان نہیں کہ انفرادی سطح پر کچھ فوجیوں نے دینی جذبے سے افغان مجاہدین کی معاونت کی ہو، لیکن فوج نے بحیثیت ادارہ جو پالیسی اپنائی وہ اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کی خاطر نہیں تھی۔ وہ تو دنیاوی مفادات پر مبنی، برطانوی پالیسی کا تسلسل تھی۔

اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت نافذ کرتی۔ یہ تو دراصل اسی برطانوی سوچ کا تسلسل ہے کہ کابل میں ایک ایسی دوست حکومت ہونی چاہیے جس کے سبب اس خطے کی مغربی سرحدات کو کوئی خطرہ درپیش نہ رہے۔ نیز اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے تو گیارہ ستمبر کے بعد پاکستان کی فوجی قیادت نے طالبان سے رشتہ توڑ کر امریکہ کا ساتھ دینے کا جو فیصلہ کیا، اسے بھی ہرگز ''یو۔ٹرن'' سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ انگریز نے تو یہ فوج بنائی ہی اس لئے تھی کہ اگر افغانستان کی حکومت اس کے اشاروں پر چلنے سے انکار کر دے، تو اس پر حملہ کر کے اس کی جگہ کوئی کرزئی نما شخص کابل کا حاکم بنا دیا جائے۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط میں پاکستانی فوج کا کردار

سن ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوتا ہے۔ خلافتِ عثمانیہ نے اس جنگ میں جرمنی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور یوں اسے بیک وقت برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی اور یونان سمیت کئی یورپی ممالک کی یلغار کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخِ اسلامی کے اس نازک موڑ پر جب مادی قوت میں کہیں برتر صلیبی افواج پوری شدت کے ساتھ عالمِ اسلام کے قلب پر حملہ آور تھیں؛ ہندوستان میں بالکل متضاد مؤقف کے حامل دو واضح گروہ نظر آرہے تھے۔ پہلا گروہ ان علمائے کرام، مجاہدین اور عوام المسلمین کا تھا جو خلافت بچانے کے لئے ہر ممکن قربانی دینے پر تیار تھے اور دعوتی، عسکری، سیاسی، ہر محاذ پر دفاعِ خلافت کے لئے کوشاں تھے۔ اسی گروہ کی ایک نمائندہ شخصیت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ تھے جو سرحدی علاقہ جات میں موجود تحریکِ مجاہدین کے عناصر کے ساتھ مل کر ایک بھرپور عسکری تحریک برپا کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آپ بالآخر برطانیہ کے خلاف سازش کے الزام میں حجاز سے گرفتار کیے گئے اور جزائرِ مالٹا (اس وقت کے گوانتاناموبے) میں قید کر دیئے گئے۔

سلطنتِ عثمانیہ (۱۶۸۳ء سے ۱۶۹۹ء کے درمیان)　　جدید ریاستی سرحدات　　نقشے میں علاقوں کے قدیم نام استعمال کئے گئے ہیں

ایک طرف سرفروشی و قربانی کی یہ تاریخ رقم ہو رہی تھی، تو دوسری طرف وہ فوجی و جاگیر دار طبقہ تھا جو خلافت گرانے اور سلطنتِ برطانیہ کا دفاع کرنے کے لئے اپنی تمام تر خدمات پیش کر رہا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۴ء سے نومبر ۱۹۱۸ء تک ہندوستان کے ۱۵ لاکھ فوجی، نیم فوجی اور غیر فوجی افراد یورپ، افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے مختلف محاذوں پر برطانوی کمان تلے جنگ میں شریک ہوئے۔ اس پورے عرصے میں تقریباً ۷ لاکھ نئے فوجی پورے ہندوستان سے بھرتی کئے گئے، جن میں سے ۶۰ فیصد 'پنجاب کی فوجی کمان' نے فراہم کئے۔[19]

اس بدبخت فوج کے سپاہیوں کو مصر میں نہر سویز کی حفاظت پر تعینات کیا گیا جہاں انہوں نے جنوری ۱۹۱۵ء میں عثمانی فوج کا ایک مضبوط حملہ پسپا کر کے برطانیہ کی رسد کے اس اہم ترین رستے کی حفاظت کی۔ انہی کو فارس میں موجود تیل کے کنوؤں کو عثمانی فوج کے حملوں سے محفوظ بنانے کا کام سونپا گیا۔ پھر جب برطانوی جرنیل سٹینلی موڈ نے ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار (۱،۶۶،۰۰۰) فوجیوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ فروری ۱۹۱۷ء میں بغداد کی سمت پیش قدمی شروع کی تو اس کے لشکر کی بھی دو تہائی تعداد کا تعلق ہندوستان ہی سے تھا۔ ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ء تک ان وفادار فوجیوں کی مدد سے برطانیہ نے بغداد پر قبضہ مکمل کر لیا۔ پھر اسی فوج کے سہارے جنرل وِلیَم مارشل (William Marshal) نے اکتوبر ۱۹۱۸ء میں تیل کے وسیع ذخائر کے حامل شہر موصل پر قبضہ کیا۔ پھر جب برطانیہ کی صلیبی فوج نے سرزمینِ انبیاء فلسطین کو صدیوں بعد مسلمانوں سے چھینا اور وہاں صہیونی اسرائیلی ریاست کی بنیاد ڈالی، تو اس مکروہ فوجی مہم میں بھی شاہی ہندی فوج پوری طرح شریک رہی۔ بدبخت برطانوی جرنیل جنرل ایلن بی، جس نے فلسطین میں داخلے کے بعد صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی قبر پر لات مار کر انہیں حقارت سے مخاطب کیا تھا، اس بدبخت کی قیادت میں ستمبر ۱۹۱۷ء میں غزہ اور دسمبر ۱۹۱۷ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرنے والی فوج کا ایک بڑا حصہ ہندوستان سے بھیجی گئی رجمنٹوں پر مشتمل تھا، وهل من عار بعد هذا العار!

شاہی ہندی فوج نے ہر محاذ پر کفار کے لئے 'قربانیاں' دیں۔ میرٹھ اور لاہور کی ایک ایک پیادہ ڈویژن کو فرانس میں تعینات برطانوی فوج کی کمک کے لئے بھیجا گیا، جہاں چند ہفتوں کے اندر اندر

---

[19] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۹۸

آدھی لاہور ڈویژن جرمن فوج کے ہاتھوں ماری گئی۔ اپریل ۱۹۱۵ء کی ایک رات میں زہریلی گیس پھینکے جانے سے لاہور ڈویژن کے چار ہزار کے قریب فوجی مردار ہوئے۔ اسی طرح ترکی کے تاریخی و عسکری اہمیت کے حامل جزیرہ نما 'گیلی پولی' پر قبضہ کرنے کی ناکام مہم میں بھی بہت سے ہندوستانی فوجی جہنم واصل ہوئے[۲۰]۔ '۵۹ سندھ رائفلز' کے حوالدار عبدالرحمان نے ۱۹۱۵ء میں یورپ سے ہندوستان میں موجود اپنے ایک فوجی دوست نائیک راج ولی خان کو خط لکھا، جو '۲۱ ویں پنجاب رجمنٹ' سے تعلق رکھتا تھا اور ژوب (بلوچستان) میں تعینات تھا۔ یہ خط اس بات کو بخوبی واضح کرتا ہے کہ یہ کرائے کے فوجی 'فی سبیل الطاغوت' کیسی سخت 'ڈیوٹی' دے رہے تھے:

"خدا کا واسطہ ہے! یورپ کی اس جنگ میں شریک ہونے ہر گز مت آنا! مت آنا! مت آنا! مجھے خط لکھ کر بتاؤ کہ کہیں تمہیں یا تمہاری رجمنٹ والوں کو یہاں بھیجا تو نہیں جا رہا۔ میں بہت پریشان ہوں، میرے بھائی یعقوب خان کو بھی کہہ دو کہ خدا کا واسطہ ہے! اپنا نام مت لکھوائے! اگر تمہارے کوئی رشتہ دار ایسا ارادہ رکھتے ہیں تو ان کو بھی میری یہی نصیحت ہو گی کہ ہر گز بھرتی نہ ہوں...... توپیں، مشین گنیں اور بم یہاں یوں برس رہے ہیں گویا مون سون کی بارش ہو۔ ہم میں سے جو لوگ زندہ بچے ہیں ان کی تعداد ہانڈی میں باقی رہ جانے والے چند دانوں سے زیادہ نہیں۔ میری کمپنی میں صرف دس لوگ باقی بچے ہیں اور پوری رجمنٹ میں صرف دو سو"۔[۲۱]

یقیناً شاہی ہندی فوج کی ان غیر معمولی 'قربانیوں' کے بغیر برطانیہ اور اس کے اتحادی خلافتِ عثمانیہ کو گرانے اور جرمنی کو شکست دینے میں ہر گز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

دوسری جنگِ عظیم میں پاکستانی فوج کا کردار

دوسری جنگِ عظیم دراصل پہلی جنگِ عظیم ہی کا تسلسل تھی، البتہ اس بار خلافتِ عثمانیہ دنیا کے نقشے پر موجود نہیں تھی۔ جنگ میں اتحادی افواج کا بنیادی مقصد جرمنی کی فتوحات کو روکنا تھا، جو ہٹلر کی

---

[۲۰] Documentary Film: 'Blood & Oil, The Middle East in World War 1', produced by: INECOM Entertainment, Producer: Marty Callaghan.

مزید دیکھئے: 'دی گیریزن سٹیٹ': صفحہ ۱۰۰-۱۰۱

[۲۱] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۱۰۷

قیادت تلے منظم ہو کر یورپ سے پہلی جنگِ عظیم کی شکست کا بدلہ لے رہا تھا۔ ہٹلر کی افواج نے دیکھتے ہی دیکھتے پولینڈ، چیکوسلواکیہ، ہالینڈ، ڈینمارک، آسٹریا اور ہنگری پر زیادہ مزاحمت جھیلے بغیر ہی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس کی افواج نے فرانس کا رخ کیا اور کچھ مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد اسے بھی فتح کر لیا۔ اس نازک صورتِ حال میں، جب پورا یورپ ہی جرمنی کے قبضے میں چلے جانے کا اندیشہ تھا، برطانیہ نے ایک بار پھر شاہی ہندی فوج کی خدمات لینے کا فیصلہ کیا۔ ہندوستانی فوجیوں نے بھی 'فرض' کی اس پکار پر لبیک کہا اور ۱۹۴۵ء تک صرف مغربی ہندوستان سے اس جنگ میں شرکت کے لئے آٹھ (۸) لاکھ نئے فوجی بھرتی ہوئے۔ نیز پورے ہندوستان سے اس جنگ میں شریک ہونے والے فوجی اور غیر فوجی افراد کی ایک تہائی تعداد 'پنجاب کی فوجی کمان' نے فراہم کی۔[۲۲]

جنگِ عظیم اوّل و دوم میں شاہی ہندی فوج کی اسی غیر معمولی کارکردگی نے خود برطانوی فوجی قیادت کو بھی حیران کر دیا اور یہ بات ان کے یہاں ایک مسلم حیثیت اختیار کر گئی کہ اس سے زیادہ قابلِ اعتماد فوج ملنا ناممکن ہے۔ تبھی تو پاکستانی فوج کی تاریخ پر لکھنے والے معروف مصنف و تاریخ دان سٹیفن پی کوہن نے لکھا ہے کہ:

''جنوبی ایشیا کے سلامتی معاملات سے منسلک تقریباً تمام برطانوی فوجی جرنیل تقسیمِ ہند کے تصور سے ناخوش تھے...... ان کا خیال تھا کہ قدیم ہندوستانی فوج، جو تقریباً دو سو سال سے موجود تھی، دو عظیم جنگوں اور بہت سی چھوٹی لڑائیوں میں اپنی افادیت ثابت کر چکی ہے (اس لئے اس سے دستبردار ہونا سراسر نقصان کا سودا ہے)''۔[۲۳]

ہندوستانی فوجی کس چیز کی خاطر لڑ رہے تھے؟

ظاہر ہے کہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم، دونوں میں ہندوستانی فوجی نہ تو کسی دینی غیرت یا قومی حمیت کے سبب شریک ہوئے تھے، نہ ہی وہ جذبہء جہاد یا شوقِ شہادت سے بے قرار ہو کر میدان میں

---

[۲۲] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۲۸۱ اور صفحہ ۳۰۱

[۲۳] سٹیفن پی کوہن کی تصنیف The Pakistan Army: کا اردو ترجمہ بعنوان 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم'، مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص ۲۔

اترے تھے۔ ان کے سامنے بنیادی محرک بعینہ وہی تھا جس نے انہیں ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر ابھارا تھا؛ اور جس کا تذکرہ ایک انگریز مصنف نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

''صرف چند ماہانہ روپوں کی خاطر یہ کرائے کے ٹٹو ہمارے ساتھ چمٹے رہے''![۲۴]

۱۸۵۷ء کے جہاد کو کچل دینے کے بعد انگریز نے جہاد سے لاتعلق اور انگریزی سرکار سے وفادار رہنے والے افراد میں بڑی بڑی زمینیں تقسیم کی تھیں۔ اس کے بعد سے انگریز کا مستقل دستور چلا آرہا تھا کہ وہ ہر سال چند منتخب فوجی افسران کو ان کی 'نمایاں کارکردگی' کی بناء پر پانچ، پانچ سو ایکڑ زمین عطا کرتا تھا۔ پھر کچھ عرصے بعد انگریزی حکومت نے چناب، جہلم، لوئر باری دو آب اور نیلی بار کے زرخیز علاقوں میں چار وسیع نہری کالونیاں بنائیں جن کی زمینیں سالہاسال برطانوی سرکار سے وفادار فوجی وغیر فوجی طبقات میں تقسیم کی جاتی رہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس منصوبے کے تحت کل پانچ لاکھ ایکڑ زمین تقسیم کی گئی۔ یہ زمینیں بالعموم ۹۹ سال کے لئے اجارے (lease) پر دی جاتی تھیں۔ زمین لینے والے فوجی کو حکومت سے یہ معاہدہ کرنا پڑتا تھا کہ:

''مجھ پر لازم ہے کہ میں ابھی اور اس کے بعد بھی ہمیشہ وفادار رویے کا مظاہرہ کروں اور ہر مصیبت اور بدنظمی کے موقع پر حکومت اور اس کے افسروں کی عملی مدد کروں...... اگر مقامی حکومت کو کسی بھی وقت یہ محسوس ہوا کہ میں اس شرط کی پاسداری نہیں کر رہا تو وہ یہ معاہدہ ختم کر کے زمین واپس لینے کی مجاز ہے''۔[۲۵]

وفاداریاں خریدنے کی یہ روایت جاری رکھتے ہوئے، پہلی جنگِ عظیم کے دوران پنجاب کی سول انتظامیہ نے شاہی ہندی فوج کے سربراہِ اعلیٰ کو ایک لاکھ اسی ہزار (۱،۸۰،۰۰۰) ایکڑ قیمتی نہری زمین عطا کی تاکہ اسے جنگ میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے افسروں میں تقسیم کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ جنگ میں شریک ہر فوجی کے ماں باپ کو نقدی وغیرہ کی صورت میں انعامات دیئے جاتے، فوجیوں کی بیواؤں کو عام حالات سے کہیں زیادہ پنشن ملتی اور فوج میں بھرتی ہونے والے ہر فرد کو بھرتی ہوتے ہی

---

[۲۴] سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۳۶۲ (بحوالہ: Kaye, Volume II, Page: 454-455)

[۲۵] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ: ۹۰۔۹۱

پچاس(۵۰) روپے بونس دیا جاتا تھا۔ نیز جو شخص اپنے جتنے زیادہ رشتہ داروں کو فوج میں بھرتی کرواتا، اسے ٹیکسوں میں اتنی ہی زیادہ چھوٹ ملتی۔ اسی طرح جس خان، ملک یا نواب کی قوم جنگ کے دوران زیادہ وفاداری کا مظاہرہ کرتی، اسے اتنی ہی بڑی جاگیر اور القابات عطا کئے جاتے۔[۲۶] باوجود اس کے کہ پہلی جنگِ عظیم میں مارے جانے یا معذور ہونے والے ہندوستانی فوجیوں کی تعداد لاکھوں میں پہنچتی تھی اور ہندوستانی فوجیوں کو جنگ میں نہایت ہی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر بھی اس حقیر دنیاوی مال و متاع کی خاطر ہندوستان کے لاکھوں فوجی ایک بار پھر برطانیہ کے دفاع کی جنگ لڑنے میدان میں اتر آئے تھے۔

پس **تنخواہ، ترقی، زمین اور پنشن** ہی وہ بنیادی محرک تھے جن کی لالچ میں ہندوستانی فوج ڈیڑھ دو سو سال اپنے برطانوی آقاؤں کی خدمت کرتی رہی۔ نیز اس فوج میں سے بھی سب سے نمایاں کردار 'پنجاب کی فوجی کمان' نے ادا کیا جسے اپنی غیر معمولی وفاداری کی بدولت "برطانوی راج کے دائیں بازو" یا "Sword Arm of the British Raj"[۲۷] کا خطاب ملا۔

پاکستانی فوج کی بعد از قیامِ پاکستان تاریخ

پاکستانی فوج کی تاسیسِ ثانی

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان نامی ریاست دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی، جو مغربی ہندوستان کے پانچ مسلم اکثریتی علاقوں (پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور کشمیر) کے علاوہ مشرقی ہندوستان کے خطہء بنگال پر مشتمل تھی۔ اگرچہ برصغیر کے عام مسلمانوں نے قیامِ پاکستان کے لئے قربانیاں اس امید سے دی تھیں کہ یہاں 'لا الہ الا اللہ' کی حکومت قائم ہو گی؛ لیکن ایک تلخ حقیقت اس خواب کی تکمیل میں واضح طور پر حائل تھی۔ تقسیم کے فارمولے کے تحت پاکستان کے حصے میں جو فوج آنی تھی، وہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم سے نا آشنا وہی 'شاہی ہندی فوج' تھی جو پورے دورِ غلامی میں مسلمانوں کا خون بہاتی اور برطانوی راج کا دفاع کرتی رہی تھی۔ اس پوری فوج اور اس کے اثاثوں کا چھتیس(۳۶) فیصد حصہ

---

[۲۶] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ:۱۲۲

[۲۷] دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۳۰۱

پاکستان کو ملا، جس میں آٹھ(۸) پیادہ رجمنٹیں، آٹھ (۸) توپخانہ رجمنٹیں اور آٹھ (۸) بکتر بند رجمنٹیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ کئی تربیتی مراکز اور کراچی اور چٹاگانگ میں واقع بحری تنصیبات بھی پاکستان کو دی گئیں۔[۲۸] چنانچہ قیامِ پاکستان کے وقت ملک کا سب سے بڑا، منظم اور قوی ادارہ یہی فوج کا ادارہ تھا، جس کا منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ آنے والے سالوں اور دہائیوں میں اسی ادارے نے اس ملک کی باگ ڈور مکمل طور پر سنبھال لی اور قیامِ پاکستان سے قبل نافذ فرنگی نظام میں کوئی جوہری تبدیلی نہیں آنے دی۔

اگر قیامِ پاکستان کے بعد کچھ سنجیدہ اقدامات اٹھائے جاتے اورانگریز کی وفاداراس پوری فوج کو جڑ سے تبدیل کر دیاجاتا، اس کا تربیتی نصاب جید علمائے دین، سرحدی علاقہ جات میں موجود مجاہدین اور جدید عسکری ماہرین کی رہنمائی میں از سرِ نو ترتیب دیا جاتا، فوج کی مکمل تنظیمِ نو کی جاتی اور انگریز کے نمک خوار افسر طبقے کو نکال پھینکا جاتا تو شاید اس بات کا کوئی امکان ہوتا کہ یہ فوج 'ہماری فوج' بن جائے۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہ ہو سکا، اور نہ ہی شاید اس سمت کچھ زیادہ سوچا گیا۔ نتیجتاً قیامِ پاکستان کے بعد بھی شاہی ہندی فوج بلا ترمیم و تطہیر برقرار رہی، البتہ اب خونِ مسلم میں لتھڑے ہاتھوں والی اسی فوج کو 'پاک فوج' کہا جانے لگا!

پاکستانی فوج کی اٹھان میں برطانیہ کا کردار

تقسیمِ ہند سے قبل انگریزوں کی فوجی قیادت مقامی فوجیوں کو بالعموم اعلیٰ عہدوں تک ترقی نہیں دیتی تھی، اس لئے پاکستانی فوج کو ابتدائی عرصے میں افسروں کی شدید کمی درپیش ہوئی۔ ڈیڑھ لاکھ فوجیوں کی کمان سنبھالنے کے لئے صرف ڈھائی ہزار افسر میسر تھے، جبکہ ضرورت چار ہزار افسروں کی تھی۔ اس کمی کو برطانیہ، ہنگری اور پولینڈ کے افسروں نے پورا کیا، جن میں سے بعض ۱۹۵۰ء کی دہائی تک بھی موجود رہے۔ یہی نہیں بلکہ پہلے پانچ سال تو پاکستانی برّی افواج کی قیادتِ اعلیٰ بھی انگریز افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ پاکستانی فوج کا پہلا سربراہ جنرل فرینک میسروی (Frank Messervy) تھا جو اگست ۱۹۴۷ء سے فروری ۱۹۴۸ء تک اپنے عہدے پر رہا، جبکہ دوسرا سربراہ

[۲۸] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۳

جنرل ڈگلس ڈیوڈ گریسی (Douglas David Gracey) تھا جو فروری ۱۹۴۸ء سے جنوری ۱۹۵۱ء تک اس عہدے پر فائز رہا۔[29] اسی طرح پاکستانی فوج کے نہایت اہم شعبے، ایس ایس جی (یا کمانڈو دستوں) کی ابتداء بھی ۱۹۵۰ میں کوئٹہ کے 'Close Quarter Battle School' میں ایک برطانوی افسر کرنل گرانٹ ٹیلر کے ہاتھوں ہوئی۔[30] نیز فوجیوں کی تربیت کے لئے بھی انگریز کا بنایا ہوا 'رائل انڈین آرمی سروس کور سکول، کاکول' بدستور استعمال ہوتا رہا، البتہ اس کا نام بدل کر اسے 'پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول' کہا جانے لگا۔ اعلیٰ افسران کی تربیت بھی برطانوی تربیتی ادارے 'کیمبرلی' کے طرز پر بنائے گئے، 'سٹاف کالج کوئٹہ' میں جاری رہی۔ اس کالج کی بنیاد لارڈ کچنر نے قبل از تقسیمِ ہند ڈالی تھی اور تقسیم کے بعد بھی ۱۹۵۴ء تک اس کی کمان برطانوی افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ اسی طرح توپ خانے کی تربیت کے لئے نوشہرہ میں جو 'آرٹلری سکول' قائم کیا گیا، اس کے اساتذہ کی تربیت بھی ۱۹۵۲ء تک برطانیہ میں ہوتی رہی اور اس کے بعد وہ تربیت کے لئے امریکہ کے فوجی مرکز فورٹ سل، اوکلاہوما جانے لگے۔[31]

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ پہلے دو انگریز فوجی قائدین کے جانے کے بعد بھی جن لوگوں نے اس فوج کی قیادت سنبھالی وہ اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے جو براہِ راست انگریز افسروں سے انہی کی اکیڈمیوں میں تربیت پا چکی تھی اور مختلف جنگوں میں انگریز سے وفاداری کا عملی ثبوت بھی دے چکی تھی۔ چنانچہ جنرل گریسی کے بعد فوج کی قیادت سنبھالنے والا پہلا پاکستانی جرنیل فیلڈ مارشل ایوب خان علی گڑھ سے پڑھنے کے بعد برطانیہ میں واقع مشہور فوجی اکیڈمی 'رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ' (Royal Military College Sandhurst) میں داخل ہوا تھا۔ سینڈ ہرسٹ کی فوجی اکیڈمی میں کسی ہندوستانی کو داخلہ ملنا آسان کام نہیں تھا۔ سٹیفن کوہن اسی بات کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

---

[29] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۳؛ نیز دیکھئے: وکی پیڈیا، عنوان: پاکستان آرمی

[30] Taken from an Introductory & Propaganda video on SSG, produced by ISPR.

[31] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۷۷ تا ۸۸

”انگریز سینڈ ہرسٹ بھیجے جانے والے افراد کا بے حد احتیاط سے چناؤ کرتے تھے اور وفادار ترین، معزز ترین اور سب سے زیادہ مغربی رنگ میں رنگے ہوئے ہندوستانی خاندانوں سے انتخاب کرتے تھے۔ پھر ان (خاندانوں) میں سے بھی، خصوصاً مسلمانوں میں سے، وہ ان وائسرائز کمیشنڈ افسروں (وی سی اوز) کے بیٹوں کو شامل کرنے کی کوشش کرتے تھے جنہوں نے کوئی نمایاں کارکردگی دکھائی ہو“۔[۳۲]

شاہی ہندی فوج میں شمولیت کے بعد ایوب خان نے جنگِ عظیم دوم میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور برما کے علاقے میانمار میں تعینات رہا۔ ایوب کے بعد جنرل موسیٰ خان نے فوج کی قیادت سنبھالی۔ موسیٰ کا باپ افغانی تھا جو ترقی کرتا کرتا 'سینئر وی سی او' کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ باپ کی وفاداری کے صلے میں موسیٰ کو بھی 'رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ' کے لئے چن لیا گیا، لیکن بعد میں بعض مسائل کی وجہ سے وہ وہاں نہ جا سکا اور اس نے شمالی ہندوستان میں واقع ایک اور برطانوی ادارے 'انڈین ملٹری اکیڈمی دہرہ دون' سے تربیت حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں موسیٰ نے بطور کپتان وزیرستان میں مجاہدین کے خلاف فوجی آپریشن میں شرکت کی۔ آج بھی شمالی وزیرستان کے علاقے 'بویا' کی پہاڑیوں پر واقع ایک فوجی چوکی کے ساتھ موسیٰ خان کا نام جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ موسیٰ کے بعد ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۱ء تک جنرل یحییٰ خان نے فوج کی قیادت سنبھالی۔ اس نے بھی 'انڈین ملٹری اکیڈمی دہرہ دون' سے تربیت حاصل کی اور جنگِ عظیم دوم کے دوران اٹلی اور مشرقِ وسطیٰ میں تعینات رہا۔ جنرل ضیاء الحق، جو ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۸ء تک اس ملک کے سیاہ و سپید کا مالک رہا، بھی براہِ راست برطانوی افسروں سے تربیت یافتہ تھا۔ ضیاء نے ابتدائی فوجی تربیت دہرہ دون سے حاصل کی اور دوسری جنگِ عظیم کے اواخر میں جنوب مشرقی ایشیاء میں برطانوی کمان تلے اپنی صلاحیتوں کا جوہر دکھایا۔ اس کے بعد اعلیٰ تربیت کے لئے اس نے ”امریکی کمانڈ اینڈ جنرل سٹاف کالج فورٹ لیون ورتھ، کینسس“[۳۳] (امریکہ) کا رخ کیا۔ ۶۰ء کی دہائی کے اواخر میں ضیاء کو اردنی فوج کی تربیت پر مامور کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں جب اردنی فوج نے اردن میں پناہ لینے والے فلسطینی مہاجرین کے خلاف فوجی آپریشن

---

[۳۲] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۵۷

[۳۳] (US Army Command & General Staff College Fort Leaven worth, Kansas)

کا آغاز کیا تو یہی ضیاء الحق تھا جس نے بطور بریگیڈیئر اردن کی 'دوسری فوجی ڈویژن' کی کمان سنبھالی اور ہزارہا فلسطینی مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ فلسطینی ذرائع کے مطابق اس کارروائی کے دوران ۲۵،۰۰۰ کے قریب بے گناہ فلسطینی مسلمان شہید کیے گئے۔ برطانوی اکیڈمیوں میں تربیت پانے والی اس نسل کا آخری اعلیٰ افسر جنرل آصف نواز جنجوعہ تھا۔ جنرل آصف نواز ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء کے دوران پاکستانی بری فوج کا سربراہ رہا۔ اس نے ابتدائی تعلیم راولپنڈی میں واقع سینٹ میری مشنری سکول سے حاصل کی اور ایک موقع پر خود اس بات کا اظہار کیا کہ اس کی پرورش میں سب سے اہم کردار، سکول کے دو یورپی اساتذہ، پادری برنز اور میڈم مے فلیننگن کا تھا۔ آصف نواز نے بھی ابتدائی فوجی تربیت برطانیہ کے علاقے سینڈ ہرسٹ میں واقع فوجی اکیڈمی سے حاصل کی تھی۔[۳۴] گویا پانچ سال برطانوی افسروں کی زیرِ کمان رہنے کے بعد تقریباً ۴۲ سال یہ فوج برطانیہ کے منتخب کردہ اور برطانویوں سے تربیت یافتہ افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ چنانچہ وہی فوجی طبقہ جس کی مدد سے برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک صدی سے زائد عرصہ غلام بنائے رکھا اور جس کے بل پر ہندوستان میں جڑ پکڑنے والی ہر جہادی تحریک کو کچلا گیا، 'آزادی' کے بعد بس وہی بدبخت طبقہ آزاد ہوا، جبکہ باقی سب مسلمان، خصوصاً علماء و مجاہدین، ان غداروں کی غلامی تلے رہنے پر مجبور ہوئے۔ تحریکِ مجاہدین کے سرفروش تو پاکستان بننے کے بعد بھی 'دشمن' ہی سمجھے جاتے رہے اور اس فوج نے ان کا تعاقب اسی طرح جاری رکھا جیسے وہ قبل از قیامِ پاکستان کیا کرتی تھی۔ ایک طرف قبائلی علاقہ جات میں اپی فقیر رحمہ اللہ اور دیگر جہادی قائدین کا پیچھا کیا گیا اور ان کے اجتماعات پر بمباری کی گئی، تو دوسری طرف پاکستان کے شہری علاقوں میں بھی تحریک سے منسلک افراد کا تعاقب جاری رہا۔ ڈاکٹر صادق حسین اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جو مجاہدین پاکستان واپس آگئے، وہ یا تو عسرت کی زندگی بسر کرتے ہوئے ولولہء جہاد کی سرگزشتوں کو سینوں میں دبائے ہوئے راہیء ملکِ عدم ہوئے، یا حکومتِ پاکستان کی پولیس کی نگرانی

---

[۳۴] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص۵۷۔ نیز دیکھئے: انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا سافٹ وئیر ۱۰؛ اور وکی پیڈیا، عنوانات: جنرل موسیٰ خان، جنرل ضیاء الحق، جنرل آصف نواز، اردن میں سیاہ ستمبر۔

میں زندگی کے ایام گزارتے رہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ انگریزی حکومت سے برسرِ جنگ رہتے تھے، اس لئے اب بھی دشمن ہی سمجھے جاتے تھے"۔[۳۵]

پس چونکہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اس فوج کا نصابِ تربیت تبدیل نہیں کیا گیا، لہٰذا فوج میں 'دوست' اور 'دشمن' کی تعریف بھی بنیادی طور پر وہی رہی جو اسے برطانیہ نے قبل از قیامِ پاکستان سکھلائی تھی۔

پاکستانی فوج کی اٹھان میں امریکہ کا کردار[۳۶]

انگریز سے براہِ راست فیض یافتہ اس نسل کے زیرِ سایہ ایک اور فوجی نسل پروان چڑھ رہی تھی۔ اس نسل کی تربیت میں دو عناصر اپنی گہری چھاپ چھوڑ رہے تھے۔ ایک طرف تو پہلی نسل کے فوجی افسران وہ سارے علوم و فیوض ان تک منتقل کر رہے تھے جو انہیں برطانوی افسروں سے ورثے میں ملے تھے۔ جبکہ دوسری طرف پاکستان کی فوجی و سیاسی قیادت امریکہ سے پینگیں بڑھانے میں مصروف تھی۔ امریکہ نے برطانیہ کے بطن ہی سے جنم لیا تھا اس لئے وہ پاکستانی فوج کی قبل از قیامِ پاکستان تاریخ اور پاکستانی فوج کی ممکنہ افادیت سے بخوبی واقف تھا۔ اسی لئے امریکہ نے پاکستان کو اپنے اتحادیوں میں شامل کرتے زیادہ دیر نہیں لگائی۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان نے امریکہ کے ساتھ 'باہمی دفاعی تعاون کے معاہدے' پر دستخط کیے جس کے بعد پاکستان کو امریکی امداد ملنے لگی۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں پاکستان نے سیٹو اور سینٹو میں شمولیت اختیار کر کے خود کو واضح طور پر امریکہ کے اہم ترین اتحادیوں میں شامل کر لیا۔ ۵۰ء کی دہائی کے آغاز سے سن ۷۱ء تک پاکستان امریکہ کا چہیتا اتحادی رہا اور امریکہ نے پاکستانی فوج کی تربیت پر بہت باریک بینی سے توجہ دی۔ پاکستانی فوج نے امریکی فوج کی تنظیمی ساخت سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوج کو از سرِ نو منظم کیا۔ فوج میں کئی ایسی ڈویژنوں کا اضافہ ہوا جو مکمل طور پر امریکی اسلحے سے لیس اور امریکہ کی تربیت یافتہ تھیں۔ پاکستان کے بہت سے اعلیٰ افسران تربیت حاصل کرنے امریکہ گئے۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۸ء کے درمیان (یعنی محض تین سال کے عرصے میں) صرف

---

[۳۵] سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۷۶۹

[۳۶] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۶۵ سے ص ۷۲

توپ خانے کے شعبے سے ہی ۲۰۰ افسر امریکہ گئے۔ نیز امریکی افسران خود بھی پاکستان آکر فوج کی تربیتی اکیڈمیوں میں پڑھاتے رہے اور انہوں نے ان اکیڈمیوں کے نصاب میں بھی بہت سی اہم تبدیلیاں کیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ پاکستانی افسران کو تربیت حاصل کرنے کے لئے برطانیہ اور دولتِ مشترکہ کے دیگر ممالک بھی بھیجا جاتا رہا۔ نتیجے میں ایک ایسی نسل وجود میں آئی جو اصلاً برطانوی تاریخ و مزاج کی حامل تھی، لیکن اس پر گہری امریکی چھاپ بھی موجود تھی۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے سٹیفن کوہن لکھتا ہے:

"امریکی فوجی ماہرین اسٹاف کالج کوئٹہ تک کے دورے وقتاً فوقتاً کرتے رہے، جو کہ پاکستان کا سب سے پرانا فوجی ادارہ ہے اور آج تک برطانوی خواص کا حامل ہے۔ یوں اس کالج کی تعلیم و تربیت میں امریکیوں کا اہم حصہ ہے۔ کالج کی اپنی مرتب کردہ تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں امریکہ کی ایک جوہری جنگ کی ماہر ٹیم کا دورہ انتہائی سودمند ثابت ہوا اور پرانے نصاب میں ترمیم و نظرِ ثانی پر منتج ہوا"۔

اسی طرح ۱۹۵۶ء میں 'ایس ایس جی' کا رسمی قیام بھی امریکی خصوصی دستوں (Special Ops. Force) کی مدد سے عمل میں آیا، اور امریکی خصوصی دستوں ہی کی طرز پر ایس ایس جی کو پروان چڑھایا گیا۔

۱۹۷۱ء کے بعد امریکہ کی توجہ ویت نام کی طرف پھر گئی اور پاکستان بھی وقتی طور پر اس کے اتحادیوں کی صف سے نکل گیا، لیکن ۸۰ء کی دہائی کا آغاز ہوتے ہی امریکہ کو ایک بار پھر روسی خطرے سے نمٹنے کے لئے پاکستان کی ضرورت پڑی اور پاکستان بھی فوجی و غیر فوجی امداد کے دروازے کھلتے دیکھ کر خوشی خوشی امریکہ کا 'فرنٹ لائن اتحادی' بننے پر تیار ہو گیا۔ یوں پاکستانی فوج کو ایک بار پھر امریکی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ افغانستان سے روس کے انخلاء کے بعد یہ سلسلہ پھر عارضی طور پر کمزور پڑا، لیکن گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد پاکستان دوبارہ امریکہ کا 'فرنٹ لائن اتحادی' بن گیا اور اس کی یہ حیثیت تاحال برقرار ہے۔ اس پورے عرصے میں افسروں کی جو دوسری نسل تیار ہوئی، وہ برطانیہ کے ساتھ ساتھ اپنے نئے آقا امریکہ کی بھی وفادار تھی، بلکہ کئی اعتبار سے امریکہ کے زیادہ قریب تھی۔ پرویز مشرف کا تعلق اسی نسل سے ہے۔ وہ امریکی اثرات کے حامل 'سٹاف کالج کوئٹہ'

سے پڑھنے کے بعد برطانیہ کے 'رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز، لندن' سے پڑھا[۳۷] اور ۱۹۹۸ء میں پاکستان فوج کا سربراہ بن کر نو سال امریکی مفادات کی خدمت کرنے میں مصروف رہا۔

پاکستان فوج کی اٹھان میں اسلام کا کردار

ایک بات تو بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی فوج کے نظریات و عقائد کی تشکیل میں اسلام کا سرے سے کوئی کردار نہیں رہا۔ ہاں، البتہ قیامِ پاکستان کے بعد اتنی تبدیلی ضرور آئی ہے کہ فوج نے اپنے سپاہیوں اور افسروں کے جذبات ابھارنے اور انہیں لڑ مرنے کا جذبہ دینے کے لئے اسلام کو نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا ہے۔ فوج کے نظریات کو اسلامی رنگ دینے کی کوششیں زیادہ تر ضیاء دور میں ہوئی ہیں، جس کے نمونے پروفیسر کرنل عبدالقیوم کی تصنیف: 'On Striving to be a Muslim' اور بریگیڈیئر ایس کے ملک کی تصنیف 'The Quranic Concept of War' کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ اور ایسی دیگر تحریرات تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علومِ دینیہ پر گہری گرفت رکھنے والے علماء نے نہیں لکھیں، بلکہ خود فوج ہی کے افسران نے لکھی ہیں۔ حسنِ ظن سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ کسی انفرادی فوجی کی نیک نیتی پر مبنی کوشش ہو۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب اور اس سے مشابہ تمام کاوشیں فوج کے اساسی نظریات و عقائد اور اس کے طور طریقوں میں کسی قسم کی جوہری تبدیلی لائے بغیر ہی ایک فوجی کو یہ باور کرا دیتی ہیں کہ وہ جہاد جیسی اعلیٰ عبادت میں مصروف ہے، اس پر اس کے افسر کے ہر حکم کی اطاعت کرنا واجب ہے اور اگر وہ مارا جائے تو وہ شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہو گا۔ رہی یہ بات کہ اسلام میں جہاد کی تعریف کیا ہے؟ وطن کی خاطر لڑنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ جہاد کے شرعی مقاصد کیا ہوتے ہیں؟ ایک مسلمان کا دوست کون ہوتا ہے اور دشمن کون؟ اطاعتِ امیر کی حدود کیا ہیں اور کن حالتوں میں امیر کا حکم ماننا جائز نہیں رہتا؟ شہید کی شرعی تعریف کیا ہے؟ شہادت کی قبولیت کی کیا شرائط ہیں؟ شریعت نے جنگ کے کیا آداب وضوابط مقرر کئے ہیں؟..... ان سب سوالات کو اٹھانے اور ان کا درست شرعی جواب دینے سے مکمل گریز کیا جاتا ہے۔ مثلاً، یہ بات پورے دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی فوج کا کوئی افسر و

---

[۳۷] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا سافٹ وئیر ۱۰

جوان یہ بات نہیں جانتا کہ جہاد کا بنیادی مقصد 'اعلائے کلمۃ اللہ' ہوتا ہے، یعنی یہ کہ توحید کا کلمہ بلند کیا جائے، شرک کا خاتمہ کیا جائے، شریعت نافذ کی جائے اور کافروں کے غلبے و بالادستی کو مٹا ڈالا جائے۔ انہی بنیادی شرعی مفاہیم سے جہالت کا نتیجہ ہے کہ پاکستانی فوج کے افسران کبھی بنگال کے مسلمانوں کو ذبح کرتے ہوئے احد و بدر کی مثالیں دیتے نظر آتے ہیں، تو کبھی عرب مجاہدین کا لہو بہانے والے سپاہیوں کو مجاہد گردانتے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۷۱ء کے سانحے کے دوران جنرل ٹکا خان نے مشرقی پاکستان گیریزن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"جہاد اور اسلام سے وابستگی کی بناء پر ہی مٹھی بھر مسلمانوں نے مضبوط ترین مخالفین کو شکست سے دوچار کیا۔ بدر، احد، خیبر اور دمشق کی جنگیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلمان کیا کر سکتے ہیں"![۳۸]

اسی طرح، ۲۰۰۴ء میں وانا (وزیرستان) میں عرب و عجم کے مہاجر مجاہدین کے خلاف لڑائی میں مصروف فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بریگیڈیئر خٹک نے کہا:

"اصل مجاہد میرے لڑکے ہیں، اصل مجاہد تم لوگ ہو"!

لہٰذا یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ فوج آج بھی اپنے بنیادی نظریات اور فکر و فلسفے کے اعتبار سے سینڈ ہرسٹ اور دہرہ دون کی فوجی اکیڈمیوں سے تربیت یافتہ وہی شاہی ہندی فوج ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب اس کے اسلامی جذبے کی تسکین کے لئے اس کی بیرکوں کو 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' جیسے اسلامی نعروں سے مزین کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ آج بھی ان تینوں چیزوں سے اتنی ہی دور ہے جتنی ۱۸۵۷ء میں تھی۔ بلکہ یہ بات تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ اب اُنہی کفریہ مقاصد کے حصول کے لئے یہ فوج دینی جذبے سے لڑ رہی ہے!

فوج کے اصل نظریے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے سٹیفن کوہن صراحت سے لکھتا ہے:

"آزادی حاصل کرنے والی تمام مسلمان مملکتوں کو مغربی تربیت یافتہ افواج ورثے میں ملیں..... چنانچہ (یہ افواج) کلازوٹ، لڈل ہارٹ اور شیلنگ کے نظریات ترک کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔ پاکستان آرمی کے بیشتر افسران بھی ان نظریات کو ترک نہیں کریں گے"۔[۳۹]

---

[۳۸] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۹۴

[۳۹] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۱۰۷

۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستانی فوج کا کردار

۱۹۷۱ء کی جنگ نے پاکستانی فوج کی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ کیا۔اس جنگ میں رونما ہونے والے تکلیف دہ واقعات اس بات کی بیّن دلیل تھے کہ قیامِ پاکستان کے چوبیس سال گزر جانے کے بعد بھی فوج کی ذہنیت ذرّہ برابر نہیں بدلی تھی۔انگریز نے مغربی ہندوستان کے فوجیوں کو پہلی مرتبہ تبھی استعمال کیا تھا جب اسے ۱۸۵۷ء میں بنگال سے پھوٹنے والی بغاوت کچلنا تھی۔۱۹۷۱ء میں اہلِ بنگال پر توڑے جانے والے مظالم بھی در حقیقت نفرت و تعصب کے انہی جذبات کا شاخسانہ تھے جو انگریز نے اس فوج کے خمیر میں ۱۸۵۷ء میں ڈال دیئے تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد بھی فوج کی قیادت نے اپنا نظام انہی جاہلانہ تعصبات کی روشنی میں چلایا جو انگریز نے اس کے دل و دماغ میں راسخ کیے تھے۔ پاکستانی فوج میں مختلف قومیتوں کا تناسب کم و بیش وہی رہا جو قبل از قیامِ پاکستان تھا۔ عسکری امور کی تجزیہ نگار عائشہ صدیقہ، قیامِ پاکستان کے ساٹھ سال بعد، سن ۲۰۰۷ء میں منظرِ عام پر آنے والی اپنی تحقیق میں یہ انکشاف کرتی ہے کہ پاکستانی فوج میں اب بھی فوجیوں کی غالب اکثریت ، (یعنی ۷۱ فیصد) کا تعلق صوبہ ءپنجاب سے ہے، جبکہ سرحد سے ۱۲ فیصد، آزاد کشمیر سے ۹ فیصد، سندھ سے ۴ فیصد، شمالی علاقہ جات سے ۳ فیصد اور بلوچستان سے ایک سے بھی کم فیصد فوجی تعلق رکھتے ہیں۔ پھر سندھ سے بھرتی کیے جانے والے فوجیوں میں سے بھی اسی فیصد سے زائد کا تعلق کراچی اور حیدر آباد سے ہوتا ہے، جبکہ سندھ کے باقی تمام علاقوں کو نہ ہونے کے برابر نمائندگی ملتی ہے۔[۴۰] نیز سٹیفن کوہن ۱۹۹۸ء میں منظرِ عام پر آنے والی اپنی تحقیق میں یہ بات واضح کرتا ہے کہ پاکستانی فوج اب بھی 'جنگجو نسلوں' کے اس خرافاتی فلسفے پر قائم ہے جو انگریز نے ایک صدی سے زائد عرصہ قبل وضع کیا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک بھرتی کے وقت ۷۵ فیصد فوجی پنجاب و سرحد کے ان پانچ اضلاع سے لئے جاتے ہیں جہاں انگریز کی چنیدہ جنگجو نسلیں پائی جاتی ہیں۔[۴۱] پاکستان کی فوجی قیادت اور بیوروکریسی کے اسی متعصبانہ رویے کے سبب بلوچستان، سندھ، سرحد اور

---

[۴۰] Military INC., Inside Pakistan's Military Economy, by Ayesha Siddiqa, Pages: 213 to 216.

[۴۱] 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۴۱

جنوبی پنجاب میں علیحدگی پسند تحریکوں نے جنم لیا؛ اور انہی تعصبات کے سبب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا۔

مشرقی پاکستان کے مسلمانوں سے معاملہ کرتے ہوئے فوج نہ صرف 'جنگجو نسلوں' کے خرافاتی فلسفے پر قائم رہی، بلکہ اس نے بنگالی مسلمانوں کی طرف حقارت سے دیکھنے اور انہیں دبا کر رکھنے کا وہ مکروہ رویہ بھی اپنائے رکھا جو اسے ۱۸۵۷ء کے بعد اپنے انگریز آقاؤں سے ورثے میں ملا تھا۔ جنگ کے بعد بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کے مظالم کی جانچ پڑتال اور جنگ میں ناکامی کے ذمہ دار افراد کی نشاندہی کے لئے چیف جسٹس پاکستان جسٹس حمود الرحمان کی سربراہی میں ایک کمیشن ترتیب دیا گیا۔ کمیشن کے ممبران میں سندھ اور بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بھی شامل تھے۔ اس کمیشن نے سینکڑوں گواہوں کے بیانات سننے اور اپنی تحقیقات مکمل کرنے کے بعد ایک رپورٹ تیار کی، جو اس فوج کی مکروہ حرکتوں پر سے پردہ اٹھاتی ہے۔ اگرچہ یہ کمیشن اپنی تحقیقات کو منطقی انجام تک پہنچانے سے قبل خود اپنے متوقع انجام سے دوچار ہو گیا، لیکن اس کی رپورٹ ہر پاکستانی کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

۱۷ء میں بھارت کے خلاف فوج کا 'جہاد'![۴۲]

۱۹۷۱ء کے واقعات نے پاکستانی فوج کی مزعومہ عسکری قابلیت کی قلعی کھول دی۔ بہت سے اعلیٰ افسران کا حال یہ تھا کہ وہ بھارتی فوج کی پیش قدمی کا سنتے ہی اپنے ماتحتوں کو میدانِ جنگ کے بیچ چھوڑ کر غائب ہو جاتے۔ ۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو میجر جنرل رحیم خان چاندپور میں تعینات اپنی ڈویژن کو چھوڑ کر تنہا فرار ہو گیا، حالانکہ ابھی بھارتی فوج کا حملہ شروع بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح نویں ڈویژن کی ۱۰۷ویں بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر محمد حیات تک جب یہ خبر پہنچی کہ بھارتی ٹینک جیسور کے دفاعی حصار کو توڑ کر آگے بڑھ رہے ہیں، تو اس نے خبر کی مزید تصدیق کرنے کی بھی زحمت نہ کی اور ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جیسور کا قلعہ چھوڑ کر اکیلا فرار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر پیچھے رہ جانے والے دیگر افسر و سپاہی بھی بد

---

۴۲ اس عنوان اور اس سے اگلے عنوان تلے جو معلومات دی گئی ہیں، تقریباً وہ تمام ہی حمود الرحمان کمیشن رپورٹ سے اخذ کی گئی ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے اس رپورٹ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

نظمی کے ساتھ پسپا ہوئے اور نہ صرف یہ اہم قلعہ، بلکہ اس میں موجود اسلحے کا تمام تر ذخیرہ بھی بلا مزاحمت بھارتی فوج کے قبضے میں چلا گیا۔ ۳۹ویں ڈویژن کی ۵۳ویں بریگیڈ کا کمانڈر، بریگیڈیئر محمد اسلم نیازی، ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو لکشمی قلعے میں ۱۲۳ زخمی فوجیوں اور تمام تر بھاری اسلحے اور ذخائر کو پیچھے چھوڑ کر قلعے سے بھاگ گیا اور یہ سب کچھ بھی بلا کسی مزاحمت بھارتی فوج کے ہاتھ لگا۔ دوسری طرف مغربی پاکستان کے محاذ پر ۱۵ویں ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل عابد خان نے بلا مزاحمت ضلع سیالکوٹ کے ۹۸ دیہات بھارتی فوج کے قبضے میں جانے دیئے۔ اسی طرح فوج کی پہلی کور کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان نے بھی ضلع سیالکوٹ کی تحصیل شکر گڑھ کے پانچ سو (۵۰۰) دیہاتوں پر بھارتی فوج کو بغیر لڑے قبضہ کرنے دیا۔ مشرقی پاکستان میں فوج کے قائدِ اعلیٰ جنرل اے کے نیازی کا اپنا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ ڈھاکہ میں چھبیس ہزار (۲۶،۰۰۰) فوجیوں پر مشتمل ایک مضبوط دفاعی قوت اور اسلحے و خوراک کے مناسب ذخائر موجود تھے، لیکن محض یہ جان کر کہ بھارتی فوج ایک ہفتے بعد ڈھاکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، جنرل نیازی کے ہاتھ پاؤں اس بری طرح پھول گئے کہ نہ صرف اس نے بھارتی فوج کے کمانڈر ان چیف کو یہ پیغام بھیج دیا کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہے، بلکہ اس پر بھی راضی ہو گیا کہ وہ ایک عوامی مقام پر مکتی باہنی کے کارکنوں اور بھارتی فوجیوں کی موجودگی میں جنرل اروڑا کے سامنے بذاتِ خود ہتھیار ڈالے گا۔ یہی نہیں، بلکہ وہ جنرل اروڑا کا استقبال کرنے خود ائیر پورٹ گیا اور اپنے اے ڈی سی کو حکم دیا کہ پاکستانی فوجی جنرل اروڑا کو سلامی پیش کریں۔ یوں مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار ایسا شرمناک موقع آیا کہ خود کو مسلمان کہلانے والے نوے ہزار مسلح فوجیوں نے کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے!

۷۱ء میں بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کا 'جہاد'

ایک طرف تو پاکستانی فوج نے مشرک کافروں کے مقابلے میں اس شرمناک بزدلی و بے حمیتی کا مظاہرہ کیا؛ لیکن دوسری طرف پوری جنگ کے دوران یہی بدبخت فوج نہتے بنگالی مسلمانوں پر اپنی پوری قوت کے ساتھ یوں ٹوٹی گویا اس کا اصل 'جہاد' یہی ہو۔ ۲۵ اور ۲۶ دسمبر کی رات کو ڈھاکہ شہر پر بھاری توپخانے سے وحشیانہ بمباری کر کے لاتعداد نہتے شہریوں کو شہید کیا گیا، ستمبر اور اکتوبر کے درمیان دھوم گھاٹ کے علاقے میں مقامی لوگوں کو قطار در قطار کھڑا کر کے فائرنگ سکواڈ کے

ذریعے قتل کیا گیا، ۲۸ مارچ ۱۹۷۱ء کو لیفٹیننٹ جنرل یعقوب خان کے حکم پر کومیلا چھاؤنی میں ۱۷ بنگالی افسروں اور ۹۱۵ بنگالی سپاہیوں کو ایک ہی دن میں مار ڈالا گیا، سلد انادی کے علاقے میں بھی ۵۰۰ لوگوں کو قتل کیا گیا، نمایاں بنگالی مصنفین، ڈاکٹروں، انجنیئروں، پروفیسروں اور سیاست دانوں کو چن چن کر مارا گیا، الغرض اہلِ بنگال کے خلاف مظالم کی ایک سیاہ داستان رقم کی گئی۔ بنگلا دیشی حکومت کا دعویٰ تھا کہ اس پوری جنگ کے دوران فوج نے ۳۰ لاکھ بنگالی قتل کیے، جبکہ جی ایچ کیو نے ۱۹۷۲ء میں خود چھبیس ہزار (۲۶،۰۰۰) بنگالیوں کے قتل تسلیم کئے تھے۔ بنگلا دیشی حکومت کا یہ دعویٰ اگرچہ مبالغے پر مبنی لگتا ہے، لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ مارے جانے والوں کی تعداد لاکھوں میں تھی؛ اور ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ حمود الرحمان کمیشن کے سامنے پیش ہونے والے ایک گواہ بریگیڈیئر اقبال الرحمان شریف کے مطابق، پاکستانی فوج کا ایک نہایت اعلیٰ عہدیدار جنرل گل حسن فوجی مراکز کے دوروں کے دوران سپاہیوں سے پوچھا کرتا تھا کہ:

"How many Bengalis have you shot?"

”تم نے کتنے بنگالی مارے ہیں؟“

بنگال میں اس فوج کے جرائم یہیں تک محدود نہ رہے، بلکہ ۱۸۵۷ء کی تاریخ دہراتے ہوئے ان بدبختوں نے بہت سی بنگالی بہنوں کی عصمت دری بھی کی۔ بنگلا دیشی حکومت کا دعویٰ تھا کہ کل ۲ لاکھ خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ عصمت دری کے واقعات اتنے عام تھے کہ ہر افسر و سپاہی ان سے واقف تھا اور ایک بہت بڑی تعداد ان میں باقاعدہ ملوث بھی تھی۔ لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان نے حمود الرحمان کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ فوجیوں میں یہ جملہ عام تھا کہ:

"When the Commander (Lt. Gen. Niazi) was himself a raper, how could we be stopped"!

”جب ہمارا کمانڈر (جنرل نیازی) خود عزتیں لوٹتا تھا، تو پھر ہمیں کیسے روکا جا سکتا تھا“؟!

اخلاقی انحطاط کا حال یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ عین جنگ کے دوران بھی فوجی افسران اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ میجر منور خان نے کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے بتایا کہ ۱۱ اور ۱۲ دسمبر کی درمیانی شب جب مقبول پور سیکٹر میں بھارتی فوج کے گولے پاکستانی مورچوں پر گر رہے تھے، عین

اس وقت بھی بریگیڈیئر حیات اللہ کے زیرِ زمین مورچے میں ایک بدکار عورت اس کے ساتھ موجود تھی۔

اسی طرح بنگالی مسلمانوں کے اموال بھی فوج کی دست برد سے نہ بچ سکے۔ جنرل راؤ فرمان علی کی گواہی کے مطابق جنرل نیازی نے مشرقی پاکستان میں فوج کی کمان سنبھالنے کے فوری بعد کہا کہ:

''میں راشن کی کمی کا ذکر کیوں سن رہا ہوں؟ کیا اس علاقے کے لوگوں کے پاس گائے بکریاں نہیں ہیں؟ یہ دشمن کی سرزمین ہے، جو جی چاہے چھین لو! ہم (دوسری جنگِ عظیم کے دوران) برما میں یہی کرتے تھے''۔

جرنیلوں کی اسی تحریض کا نتیجہ تھا کہ فوج کے افسر و سپاہی سرچ آپریشنوں کے دوران خوب لوٹ مار کرتے۔ بعض مرتبہ جب بیرکوں کی تلاشی لی گئی تو (حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کے مطابق) وہاں سے ٹی وی، فریج، ایئر کنڈیشنر، ٹائپ رائٹر، سونا، گھڑیاں اور بہت سی دیگر قیمتی اشیاء برآمد ہوئیں۔ ایک موقع پر ۵۷ویں بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر جہانزیب ارباب، چار کرنل سطح کے افسران اور ایک میجر نے ایک مشترکہ منصوبے کے تحت سراج گاج میں واقع نیشنل بینک کے خزانے سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ (۱،۳۵۰۰،۰۰۰) روپے چرائے۔ اس چوری کا راز تب کھلا جب راستے میں پکسی پل پر تعینات ایک 'جے سی او' نے اتفاقاً چوری کا مال لے جانے والی گاڑی کی تلاشی لے لی۔ نیز جرنیل خود بھی اس لوٹ مار اور مالی بدعنوانی میں شامل تھے۔ کرنل بشیر احمد خان کی گواہی کے مطابق میجر جنرل محمد جمشید کی بیوی ڈھاکہ سے فرار ہوتے ہوئے بہت سی چوری شدہ نقدی مغربی پاکستان لے کر گئی، جبکہ جنرل نیازی تو جنگ کرنے کی بجائے اس پورے عرصے پان کی سمگلنگ میں مصروف رہا۔ ظاہر ہے کہ جن فوجیوں کے 'اسلاف' نے ۱۸۵۷ء میں دہلی کے مسلمانوں کے گھروں سے چارپائیاں تک چرائیں تھیں، اگر ان کے جانشین بھی ایسی خسیس حرکتوں میں ملوث پائے جائیں تو زیادہ حیرت نہیں ہونی چاہیے۔

حاصلِ کلام

اگرچہ ابھی پاکستانی فوج کی تاریخ کے کئی دیگر سیاہ ابواب کا تذکرہ باقی ہے جو ان شاء اللہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کریں گے، لیکن جو نکتہ یہاں سمجھانا مقصود تھا، امید ہے کہ وہ اب تک کی تفاصیل سے

بخوبی واضح ہو گیا ہو گا۔ فوج کی تاریخ و نظریات جان لینے کے بعد یقیناً کوئی صاحبِ فہم شخص ایبٹ آباد، کراچی، اسلام آباد اور خروٹ آباد میں فوج کی بہیمانہ حرکات پر حیرت کا اظہار نہیں کرے گا۔ نہ ہی وہ اس پر حیرت کا اظہار کرے گا اگر ہم اسے بتائیں کہ اس فوج نے گزشتہ چار سالوں کے دوران سوات سے لے کر وزیرستان تک دس بیس نہیں، کئی سو مساجد و مدارس شہید کئے ہیں؛ لاکھوں مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا ہے، جیٹ طیاروں اور توپخانے کی بمباری سے ہزارہا معصوم لوگوں کو قتل کیا ہے، ڈرون حملوں کے لئے جاسوسی کر کے سینکڑوں مسلمانوں کا لہو بہانے میں براہِ راست شرکت کی ہے، پوری پوری بستیوں کو جلا ڈالا ہے، بازاروں کو اجاڑا ہے، حق گو علمائے کرام کو برہنہ کر کے ان پر وحشیانہ تشدد کیا ہے، شریعت کے نام لیواؤں کو قطاروں میں کھڑا کر کے گولیوں سے بھونا ہے، چادر و چاردیواری کی حرمت پامال کر کے مجاہدین کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اغواء کیا ہے، سوات، بونیر، درہ آدم خیل اور کئی دیگر علاقوں میں عام آبادی کے گھروں سے سامان لوٹ کر، ٹرکوں میں بھر بھر کر ساتھ لے کر گئے ہیں، امت کے مجاہد بیٹوں کو گلیوں اور چوکوں میں گھسیٹا ہے، آئی ایس آئی کے قید خانوں میں ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں، حتیٰ کہ ان کو ذہنی اذیت دینے کے لئے اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی تک کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

یقیناً ان میں سے کوئی بات بھی قابلِ حیرت نہیں۔ حیرت تو اس سادہ لوحی پر ہے جس کے سبب اب بھی کوئی صاحبِ ایمان شخص اس فوج کو 'اپنی فوج' سمجھتا ہو اور اب بھی اس سے خیر کی امیدیں لگائے بیٹھا ہو۔ ایک ایسی فوج جسے برطانوی راج اپنا دایاں بازو قرار دیتا ہو، جس نے کبھی دہلی میں علماء و مجاہدین کا خون بہایا ہو تو کبھی سوات و قبائلی علاقہ جات میں، کبھی بنگال میں عزتیں پامال کی ہوں تو کبھی بلوچستان میں، کبھی انگریز کو بغداد فتح کر کے دیا ہو تو کبھی یہود کو فلسطین، کبھی خلافتِ عثمانیہ گرائی ہو تو کبھی افغانی امارت...... ایسے بدبختوں کو 'اپنا' سمجھنا یا ان سے کسی بھلائی کی امید لگانا چہ معنی دارد؟

یہ فوج تو میری اور آپ کی نہیں، انگریز کے مفادات کی محافظ ہے! انگریزی نظام کی محافظ ہے! انگریزی تہذیب کی محافظ ہے! میرے اور آپ کے دفاع میں لڑنے والے تو وہ گمنام مجاہدین ہیں جو کل تک سید احمد شہید رحمہ اللہ کی قیادت میں لڑتے دکھائی دیتے تھے اور آج ملا محمد عمر اور شیخ اسامہؒ کی قیادت میں۔ شاہی ہندی فوج اور سید احمد شہید کے جانشینوں کا معرکہ آج بھی جاری ہے..... افغانستان و قبائل کے کوہ ودمن میں، پنجاب کے میدانوں، سندھ کے ساحلوں اور بلوچستان کے ریگستانوں و

پہاڑوں میں۔ دہلی و بنگال کے مسلمانوں کا مستقبل بھی اسی معرکے سے وابستہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستان تا خراسان، ہر بندۂ مومن دوست اور دشمن کو بخوبی پہچان لے، اپنے اور پرائے میں تمیز کر لے...... اور پھر اس جنگ کو اپنی جنگ سمجھتے ہوئے اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی نبھانے کا حق ادا کرے۔

اللہ ہمیں حق کو پہچاننے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے؛ اور باطل کو پہچاننے اور اس سے بچنے کی توفیق دے، آمین!

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد تنظیم ''قاعدۃ الجہاد'' کے نئے امیر کی نامزدگی

تنظیم القاعدہ کی مرکزی قیادت کا بیان

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ (ال عمران: 200)

''اے ایمان والو! تم (باطل پرستوں کے مقابلے میں) صبر کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ، مورچوں پر جمے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

''لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ الَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ''۔

''میری امت کا ایک گروہ تا قیامت حق پر لڑتے ہوئے غالب رہے گا''۔[1]

یقیناً امتِ مسلمہ اور تنظیم القاعدہ سے منسلک مجاہدین و دیگر مجاہدین کے لیے شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت ایک بڑا صدمہ تھا، مگر انھوں نے یہ صدمہ اس حال میں برداشت کیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی، اور اس کی طرف سے کیے گئے جزاء وانعام کے وعدوں پر مطمئن ہیں۔ وہ اپنے مولیٰ عزوجل سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ شیخ کے درجات کو بلند فرمائیں، اور انھیں ہماری اور امتِ مسلمہ کی جانب سے بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین!

[1] الصحيح لمسلم: كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم لا تزال طائفة من أمتي---

اب چونکہ جہاد نے قیامت تک جاری رہنا ہے___ جیسا کہ احادیثِ نبوی ﷺ میں وارد ہے___ ، اور دورِ حاضر میں اسلامی ممالک پر حملہ آور و قابض کفّار، اور شرعی قوانین کو بدل ڈالنے والے مرتد حکام کے خلاف یہ جہاد فرضِ عین ہو چکا ہے___ جیسا کہ علمائے اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے___ ، نیز شہدائے اسلام کے خون اور شیخ اُسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی سیرت کے ساتھ حقیقی وفاداری کا بھی تقاضا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ اور مسلمانوں، کمزوروں کی نُصرت کی راہ پر گامزن رہا جائے، لہٰذا (ان تمام باتوں کے پیشِ نظر) تنظیم القاعدہ کی عمومی قیادت نے___ باقاعدہ مشاورت کے بعد___ تنظیم کا نیا امیر **شیخ ابو محمد ایمن الظواہری حفظہ اللہ** کو مقرر کرنے کا اعلان کیا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو امارت کی ذمہ داری بطریقِ احسن نبھانے کی توفیق عطا فرمائیں، اور آپ کو، ہمیں اور تمام مسلمانوں کو شریعت کے تمام احکامات پر عمل پیرا رہنے اور حق پر ایسی استقامت کا مظاہرہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں جو اللہ عزّوجل کو راضی کر دے، آمین۔

اصولوں کی پاسداری کا عزمِ نو

موقع کی مناسبت سے القاعدۃ کی عمومی قیادت آج (امتِ مسلمہ کے سامنے اپنے منہج کا اعادہ کرتی ہے، اور) درج ذیل بنیادی اصولوں کی پاسداری کا عزمِ نو کرتی ہے:

ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل واحسان سے تنظیم قاعدۃ الجہاد ہر دم کتاب وسنّت پر عمل کرتی ہے اور آئندہ بھی کرتی رہے گی، اور اسی کی جانب دعوت دیتی رہے گی۔ ہم رسول اللہ ﷺ، آپ کے پاکباز صحابہ کرام اور آپ کے پاکباز اہلِ بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے منہج کی پیروی کرتے ہیں۔ ہم تابعین و تبع تابعین، اور اُن کا راستہ اختیار کرنے والوں اور علم و عمل میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں مثلاً ائمہ اربعہ، ائمہ فقہ وحدیث کے اجماع کی پیروی کرتے ہیں___ یہ وہ ائمہ کرام تھے، جنھیں امت کے ہاں شرفِ قبولیت حاصل ہوا، امت نے اُن کے حق میں خیر کی شہادت دی اور نسل در نسل اُن کے لیے خیر کی دعا کرتی ہے۔ ہم ان کے اجماع کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے اقوال سے

باہر نہیں نکلتے، اور ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہم اتباع کرنے والے ہوں، ابتداع (دین میں نئی ایجاد) کرنے والے نہ ہوں اور اقتداء کرنے والے ہوں، نہ کہ اختراعات گھڑنے والے۔

۲۔ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ توفیق اور مدد سے دینِ حق کی جانب دعوت دیتے ہیں اور امتِ مسلمہ کو اعداد (یعنی جہاد کی تیاری) اور قتال کی طرف ترغیب دلاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم عملی طور پر جہاد کے فریضے کو ادا کرتے ہیں اور مسلم علاقوں پر حملہ آور کفار ___ جن کا سربراہ امریکہ اور اس کا پروردہ اسرائیل ہے ___ اور ان کی معاونت کرنے والے، شریعتِ اسلامیہ کو پسِ پشت ڈالنے والے حکمرانوں کے خلاف لڑتے ہیں اور اپنی تمام تر طاقت وصلاحیت صرف کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم امتِ مسلمہ کو بھی تحریض دیتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف جان ومال اور ہر ممکن طریقے سے جہاد کریں، یہاں تک کہ تمام حملہ آور فوجیں مسلم سرزمینوں سے بھاگ کھڑی ہوں اور وہاں شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾ (التوبة:123)

"اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب رہتے ہیں، اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان رکھو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے"۔

۳۔ ہم ہر اُس شخص کے لیے اپنی تائید وحمایت اور نصرت کی یقین دہانی کراتے ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے شرعی بصیرت کے ساتھ جہاد کر رہا ہو اور مسلم علاقوں میں سے کسی بھی علاقے میں اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کر رہا ہو۔ تنظیم 'قاعدۃ الجہاد' کسی خاص علاقے سے منسوب نہیں ہے اور نہ ہی کسی قومیت سے مخصوص اور اس تک محدود ہے، بلکہ تمام مسلم سرزمینیں اس سے منسلک مجاہدین کا وطن ہیں اور تمام مسلمان ان کے بھائی ہیں، اور ان کے باہمی تعلق کی بنیاد رشتۂ ایمان ہے۔ ہمارے نزدیک تقویٰ اور عملِ صالح کے معیار کے سوا، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ ہم فلسطینِ عزیز میں اپنے مسلمانوں کو اسی بات کی یقین دہانی کراتے ہیں جس کی یقین دہانی انھیں شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے کرائی تھی، کہ: ''ہم فلسطین میں اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: بے شک تمہارے بیٹوں کا خون ہمارے بیٹوں کا خون ہے، اور تمہارا خون ہمارا خون ہے۔ پس خون کا بدلہ خون ہے اور شکست کا بدلہ شکست ہے۔ اللہ کی قسم! ہم تمہیں ہر گز تنہا نہ چھوڑیں گے، یہاں تک کہ کامیابی حاصل ہو جائے یا پھر ہم بھی اسی چیز کا ذائقہ چکھ لیں جس کا ذائقہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے چکھا تھا''۔

ہم انھیں یہ یقین دہانی بھی کراتے ہیں کہ ہم فلسطین کے رباط و جہاد سے ذرہ بھر دستبردار نہ ہوں گے، اور نہ ہی اسرائیل کی خود ساختہ ریاست کے کسی قانون کو تسلیم کریں گے، چاہے زمین پہ بسنے والے سب ہی لوگ اس پر متحد و متّفق ہو جائیں۔ ہم کسی بھی ایسے متّفقہ اعلامیے یا قرارداد و معاہدے کو نہ قبول کریں گے اور نہ اُس کی پابندی کریں گے جو اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرتا ہو یا بالشت بھر فلسطین بھی مسلمانوں سے چھینتا ہو، خواہ ایسا اعلامیہ اقوامِ متحدہ کی جانب سے پیش کیا جائے___ جسے چلانے والے خود مجرموں کے سردار ہیں___، یا اس کے علاوہ دیگر تنظیموں اور اداروں کی جانب سے پیش کیا جائے۔ ہم اللہ تعالی کی مدد اور توفیق سے ہاتھ اور زبان کے ذریعے جہاد جاری رکھیں گے، اور موساد و سی آئی اے کے ساتھ تعاون کرنے والے خائنینِ امت کی خیانتوں کا پردہ چاک کر دیں گے جو فلسطین میں مسلمانوں کے حقوق سے دستبرداری اختیار کرتے ہیں۔ ہم اپنا سب کچھ خرچ کریں گے یہاں تک کہ فلسطین پورا کا پورا آزاد ہو جائے، اس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے اور اس میں اسلامی قوانین کی بالادستی قائم ہو جائے___ جس طرح ہم سے پہلے اسے صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ اور ان جیسے دیگر بہادرانِ اسلام نے آزاد کرایا تھا۔

ہم افغانستان میں بسنے والے اپنے بھائیوں کے سامنے بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور ہم **امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ** کی زیرِ قیادت امریکی صلیبی قبضے سے اس پاک سرزمین کے ایک ایک چپے کو چھڑوانے کے لیے اپنی جانوں اور سب سامان کے ساتھ حاضر ہیں۔

اسی طرح ہم سرزمینِ خلافت و علم 'عراق'، ارضِ ہجرت و شریعت 'صومالیہ'، بقعۂ ایمان و حکمت 'جزیرۂ عرب'، خطۂ نصرت و رباط 'مغربِ اسلامی' اور صبر واستقامت کے چیچنیا میں بسنے والے بھائیوں سے ___ جو صلیبی حملوں کا مقابلہ کرنے میں ہمارے ہم سفر ہیں ___ کہتے ہیں کہ:

ہم اپنے عہد پر قائم ہیں اوراس راستے میں ہم آپ کے ہمراہ اس طرح گامزن ہیں کہ ہم ایک مضبوط سیسہ پلائی ہوئی دیوار، متحد کلمے اور آپس میں جڑے ہوئے دلوں کی مانند ایک پرچم تلے اکھٹے ہیں۔ ہم ایک ہی دشمن کے مد مقابل کھڑے ہیں، چاہے اس کی اشکال اور نام مختلف ہیں۔

پس ہم نہ بزدلی کا مظاہرہ کریں گے، نہ تردّد کا شکار ہوں گے اور نہ ہی پیٹھ پھیریں گے، بلکہ ہم چوٹ لگائیں گے اور کھائیں گے، غالب ہوں گے اور مغلوب ہوں گے، اور انجامِ کار تو متقین ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ (الأعراف: 128)

"موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور آخری انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے"۔

۴۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴾ (النسآء: 75)

"(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لیے

جِس کے باشندے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فكوا العاني"۔

"قیدی کو چھڑاؤ"۔

ہم اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمان قیدیوں کو چھڑوانے میں ہماری مدد فرمائیں، جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کی خاطر ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں، صبر کیا اور قربانیاں پیش کیں۔ ہم اپنے ان اسیر بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اُنہیں نہ بھولے ہیں اور نہ ہرگز کبھی بھولیں گے، ان شاء اللہ۔

ہم حق کا پرچار کرنے والے مجاہد بزرگ شیخ عمر عبد الرحمٰن کو نہیں بھولے۔ ہم گوانتاناموبے، بگرام، ابو غُریب، امریکہ کی خفیہ اور ظاہری جیلوں اور اسلامی ممالک میں امریکی غلاموں کی قائم کردہ گوانتانامو جیسی جیلوں میں قید اپنے مسلمان بھائیوں کو ہرگز نہیں بھولے۔

﴿وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ (البروج: ۸)

"اور وہ ان (مسلمانوں) سے صرف اس ایک بات کا بدلہ لے رہے ہیں کہ وہ عزت اور حمد والے اللہ پر ایمان لے آئے ہیں"۔

۵۔ ہم مصر، تیونس، لیبیا، یمن اور مغربِ اسلامی میں اپنی مظلوم و مقہور مسلم عوام کی تحریکوں کی تائید کرتے ہیں جو انھوں نے ظالم و مفسد طاغوتی حکمرانوں کے مدِمقابل کھڑی کی ہیں، جبکہ ان طواغیت نے عرصہ دراز تک ہماری امت کو بدترین عذاب سے دوچار کیا ہے۔

ہم نہ صرف ان تحریکوں کی تائید کرتے ہیں بلکہ انھیں سہارا بھی دیں گے۔ اور ہم اُنھیں اور دیگر مسلم عوام کو بھی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ تحریک جاری رکھیں اور استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں یہاں

تک کہ وہ تمام ظالم وفاسد نظام تباہ ہو جائیں جنھیں امریکہ نے ہمارے سروں پر مسلط کر رکھا ہے اور جن کے ذریعے وہ اپنے عزائم کی تکمیل کا کام لے رہا ہے۔

ہم انھیں ترغیب دیتے ہیں کہ وہ تحریک جاری رکھیں یہاں تک کہ حقیقی اور مکمّل تبدیلی حاصل ہو جائے، اور امتِ مسلمہ اپنے رب کی نازل کردہ شریعت کی جانب پلٹ آئے جسے قابض استعمار نے (مسلم علاقوں میں) بالادست ہونے سے روک رکھا ہے۔ پس عوام المسلمین کو چاہیے کہ وہ اس وقت تک گھروں کو نہ لوٹیں جب تک کہ مسلمانوں کے سروں پر صرف اور صرف شریعتِ اسلامیہ کی حاکمیت قائم نہ ہو جائے، جہاں دنیا کے قوانین کو نہ کوئی دخل ہو اور نہ وہ اثر انداز ہوں، اور دین تمام کا تمام اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائے۔

اور یہ تبدیلی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ امتِ مسلمہ استعماری واستبدادی نظام کی اِن تمام عسکری، ثقافتی، اقتصادی اور عدالتی شکلوں سے نجات حاصل نہ کرلے جو ہم پر مغرب نے مسلط کر رکھی ہیں، اور جب تک ہر قسم کا سیاسی واجتماعی ظلم ختم نہ کر دیا جائے۔

یقیناً اس سب کے لیے مضبوط تیاری، مستقل ترغیب وتحریض، پیہم جہاد اور قوت کے مقابلے کے لیے برابر قوت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ دین کا قیام 'کتابِ ہدایت' (قرآنِ مجید) اور مدد کرنے والی 'تلوار' کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لیے اکیلا آپ کا رب ہی کافی ہے۔

٦۔ اسلامی تنظیموں اور جماعتوں سے منسلک اور غیر منسلک ہر اس مسلمان کے ساتھ تعاون کے لیے ہمارے ہاتھ دراز اور دل کشادہ ہیں جو اسلام کی نصرت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ مسلم سرزمینوں سے حملہ آور دشمنوں کو پچھاڑنے اور یہاں شریعت کی حاکمیت وبالادستی کو قائم کرنے کے لیے بڑھ کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں۔

ہمیں چاہیے کہ فاسد اور مُفسِد نظاموں کو ختم کرنے اور ظلم وجبر اور فساد سے اپنے خطوں کو پاک کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور ایک دوسرے کا دست وبازو بنیں۔

یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان کی پیروی میں ہے، کہ:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ (المائدۃ: 2)

"اور نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کرو"۔

اور اس کے ساتھ ساتھ تمام مسلمان بھائیوں کا آپس میں حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نصیحت کریں اور یاد دہانی کرواتے رہیں۔

۷۔ چونکہ دینِ اسلام نے ہر طرح کے ظلم کو حرام قرار دیا ہے ___ خواہ وہ کسی مسلمان کے حق میں کیا گیا ہو یا کسی کافر کے، خواہ وہ کسی دشمن سے روا رکھا گیا ہو یا کسی دوست سے ___ تو اس بنیاد پر ہم دنیا کے ہر مظلوم کو ___ جن کی اکثریت مغربی اور امریکی جرائم سے متاثرہ ہے ___ یہ یقین دہانی کراتے ہیں کہ دینِ اسلام عدل وانصاف کا دین ہے۔ ہم مظلوموں کی تکالیف ومشکلات پر اُن سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ ہمارا جہاد امریکی جارحیت کے خلاف ہے جس کے نتیجے میں وہ بھی ظلم سے بچ جائیں گے، اور یہ جہاد انھیں اس مغربی اور امریکی استحصال سے نجات دلانے کی ایک مؤثر کوشش ہے جس نے انھیں اپنا غلام بنا رکھا ہے، ان کے وسائل پر قبضہ جما رکھا ہے، اور اُن کی زندگی اور معاشرے کو بگاڑ کا شکار کیا ہوا ہے۔

ہمارا یہ پیغام امتِ مسلمہ اور حق وعدل کے ہر طالب کے نام ہے، اور اس کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلّم!

تنظیم قاعدۃ الجہاد / مرکزی قیادت

رجب ۱۴۳۲ھ / جون ۲۰۱۱ء

كنتم خير أمة أخرجت للناس

فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکَر........ ضرورت ومشروعیت اور آداب واحکام

محمد مثنّی حسان

ہم نے اس مقالے کو موضوعات کے اعتبار سے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے جو حسبِ ذیل ہیں:

- مقدمہ: دینِ اسلام اور اس کی حفاظت کا طریقہ
- باب اول: امر بالمعروف ونہی عن المنکر؛اہمیت، فضیلت اور اثرات
- باب دوم: امر بالمعروف ونہی عن المنکر؛ فقہی احکامات
- باب سوم: آمر (نیکی کا حکم دینے والے) اور ناہی(برائی سے روکنے والے) کے احکامات
- اختتامیہ: ہم، ہمارا معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں

اس مقالے کو پیش کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک ایسے دور میں مسلمانوں کے درمیان اس اہم ترین فریضے کو زندہ کیا جاسکے، جب مسلمان معاشرے سبک خیزی کے ساتھ برائیوں اور گمراہیوں کی لپیٹ میں آرہے ہیں اور تاحال ہم اس کے آگے بند باندھنے میں ناکام ہیں۔ اگر آج ہم نے اس فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو کل ہم اپنے محلوں اور گھروں میں وہ کچھ ہوتا دیکھیں گے جس کے تصور سے بھی روح کانپنے لگتی ہے، اور پھر دنیا میں بھی خسارہ ہوگا اور آخرت میں بھی رسوائی، والعیاذ باللہ! (صاحبِ تحریر)

مقدمہ

دینِ اسلام اور اس کی حفاظت کا طریقہ

الحمد للّٰه والصلوٰة والسلام على رسول اللّٰه وعلى آله وأصحابه أجمعين!

دینِ اسلام انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا

اللہ تعالیٰ نے جب ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾[1] اور ﴿وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[2] کے اعلان کے ساتھ ''اسلام'' کو تمام بنی نوع انسان کے لیے بطور 'دین' چنا اور ﴿اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾[3] اور ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[4] کہہ کر ''توحید'' کو اس دین کی بنیاد قرار دیا تو دنیا میں توحید واسلام کا نور پھیل گیا اور انسانوں کو شرک وجاہلیت کے اندھیروں میں سے رشد وہدایت کی روشنی نظر آنے لگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (البقرة: 257)

''اللہ تو اہلِ ایمان کا دوست ہے، انھیں (کفر وشرک کے) اندھیروں سے نکال کر (ایمان وتوحید کے) نور کی طرف لاتا ہے''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیمبر حضرت محمد ﷺ سے بھی ارشاد فرمایا، کہ:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ (إبراهيم: 1)

---

[1] بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ (ال عمران: ۱۹)

[2] اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا ہے۔ (المائدۃ: ۳)

[3] اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

[4] اللہ کی ہی عبادت کرو، اور طاغوت کا انکار کرو۔ (النحل: ۳۶)

"یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ اللہ کے حکم سے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں، (یعنی آپ اس کے ذریعے) زبردست اور قابلِ حمد (رب) کے راستے کی طرف رہنمائی کریں"۔

پس اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام نازل فرما کر انسانیت کے سامنے رشد وہدایت کی راہ منور فرمادی اور پورے انسانی معاشرے کو ____ جو اس سے قبل شرک اور جاہلیت کی پستیوں میں ڈوبا ہوا تھا ____ الہامی اقدار واطوار سے روشناس کرایا اور عقیدۂ توحید کی بنیاد پر اس کی تشکیل فرمائی۔

پاکیزہ مسلم معاشرے کا قیام

دینِ اسلام کے نزول کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بسنے والی اشرف المخلوقات کے سامنے زندگی گزارنے کا پورا منشور رکھ دیا۔ یہ محض چند عقائد و نظریات کا مجموعہ نہ تھا، بلکہ اس کائنات میں پائی جانے والی زندگی کی مکمل رہنمائی کا الہامی انتظام تھا۔ اس کا دائرہ کار انسان کی انفرادی زندگی کے ہر گوشے سے لے کر اجتماعی امور کے ہر پہلو تک پہ حاوی تھا۔ یوں دینِ اسلام نے وہ تمام بنیادیں منہدم کر ڈالیں جن پر قدیم جاہلی معاشرے قائم تھے اور دنیا میں ایک پاکیزہ وخالص مسلم معاشرے کے قیام کی بنا ڈالی۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی تیئیس سالہ جدوجہد کے ذریعے انسانی افکار وخیالات، عبادات ومعاملات، اخلاق وکردار، عمرانیات واقتصادیات کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوسِ قدسیہ پر مشتمل ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جہاں زندگی کے ہر شعبے میں دینِ اسلام کی گہری چھاپ نظر آتی تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں اسلام اپنی حقیقی روح کے ساتھ دنیا میں پوری طرح جلوہ فگن تھا اور رشد وہدایت اپنی کامل صورت میں معاشرے میں موجود تھی۔ پھر آپ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی مسلم معاشرے میں یہی فضا غالب رہی۔

خیر القرون میں رشد وہدایت کا ساماں

رسول اللہ ﷺ نے اسی بات کی طرف یہ کہتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ:

" خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ----"

"بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر اس کے بعد والے، پھر اس کے بعد والے"۔[5]

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بہترین زمانے کی خود تصریح فرمادی۔ علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" وَالصَّحِيح أَنَّ قَرْنه صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّحَابَة ، وَالثَّانِي التَّابِعُونَ ، وَالثَّالِث تَابِعُوهُمْ ".

"اور صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے، اور دوسرا زمانہ (جس کا آپ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے) تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ ہے، اور تیسرا زمانہ تبع تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ ہے"۔[6]

پس صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ بہترین زمانہ تھا جو رشد وہدایت کا حامل تھا۔ ان تین زمانوں میں معمولی خامیوں کے باوجود معاشرہ اسلامی خطوط پر استوار تھا، دین زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ تھا اور بدی ومعصیت عام نہ تھی۔

امت میں گمراہیوں کا در آنا

پھر اس کے بعد جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، مسلمانوں میں دین سے دوری اور گمراہیاں پیدا ہونے لگیں، اور مسلم معاشرہ پہلے کی طرح پابندِ شریعت نہ رہا۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس بابت بتلا دیا تھا۔ مذکورہ بالا حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں کہ:

---

[5] متفق علیہ

[6] شرح النووي على مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة رضي الله تعالى عنهم

"---ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَنْذِرُونَ وَلَا يُوفُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمْ السِّمَنُ "۔

"پھر اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو جھوٹی گواہی دیں گے جبکہ ان سے گواہی لی نہ جائے گی،اور امانت میں خیانت کریں گے، اور وعدے کرکے ایفاء نہ کریں گے، اوران میں دنیاداری پیدا ہو جائے گی"۔[7]

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے:

"---ثَمّ يَأتِي مِنْ بَعْدِهِمْ قَومٌ يتسَمّنُون ويُحِبّونَ السّمَنَ--- "۔

"پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو دینداری کا خیال نہ رکھیں گے، دینی امور میں غفلت برتیں گے[8]،اورمال ومتاع کو پسند کریں گے"۔[9]

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ امر واقع بیان کرتے ہوئے حدیث "خیر الناس قرنی" کے ذیل میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

" وَفِي هَذَا الْوَقْت ظَهَرَتْ الْبِدَع ظُهُورًا فَاشِيًّا، وَأَطْلَقَتْ الْمُعْتَزِلَة أَلْسِنَتهَا، وَرَفَعَتْ الْفَلَاسِفَة رُءُوسهَا، وَامْتُحِنَ أَهْل الْعِلْم لِيَقُولُوا بِخَلْقِ الْقُرْآنِ، وَتَغَيَّرَتْ الْأَحْوَال تَغَيُّرًا شَدِيدًا، وَلَمْ يَزَلْ الْأَمْر فِي نَقْص إِلَى الْآن. وَظَهَرَ قَوْله صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِب" ظُهُورًا بَيِّنًا حَتَّى يَشْمَل الْأَقْوَال وَالْأَفْعَال وَالْمُعْتَقَدَات وَاَللَّهُ الْمُسْتَعَانُ ".

(جب تبع تابعین کا دور بھی گزر گیاتو) اس وقت بدعات عام ہو گئیں، معتزلہ نے اپنی زبانیں کھول لیں، فلسفی سر اٹھانے لگے، حضرات علماء کو خلقِ قرآن کے مسئلے کے ذریعے آزمائش

---

[7] الصحيح لمسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة رضي الله تعالى عنهم---

[8] كما ذكر صاحب 'تحفة الأحوذي' عن التوربشتي، أنه قال: كنى به (يعني بـ 'يتسمنون') عن الغفلة وقلة الإهتمام بأمر الدين، فإن الغالب على ذوي السمانة أن لا يهتموا بإرتياض النفوس بل معظم همتهم تناول الحظوظ والتفرغ للدعة والنوم.

[9] سنن الترمذي: كتاب الفتن، باب ما جاء في قرن الثالث۔

وابتلاء میں ڈالا گیا اور حالات بری طرح تبدیل ہونے لگے؛ اور یہ انحطاط کا عمل آج تک جاری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "پھر جھوٹ پھیل جائے گا"، آج پوری طرح صادق آرہا ہے، یہاں تک کہ اقوال وافعال اور عقائد، سبھی میں جھوٹ عام ہو گیا ہے، واللہ المستعان!"[١٠]

امت کی زندگی میں دین کی حفاظت اور احیاء کا انتظام؛ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

خیر القرون کے بعد چونکہ امت میں گمراہیاں اور منکرات عام ہو جانے کا مکمل امکان تھا، تو رب تعالیٰ نے ان گمراہیوں اور ضلالتوں سے حفاظت کا انتظام بھی کر دیا، تاکہ رسولِ برحق ﷺ کے بعد ہر زمانے میں مسلم معاشرہ خالص دین سے روشناس رہے اور اسلام کی روح ان میں تازہ رہے۔ نہ دین کے نام پر غلط نظریات اور بدعات کا فروغ ہو اور نہ لادینیت کی لہر معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے سکے۔ اسلام کی ابدی تعلیمات جو صدیوں قبل آنحضرت ﷺ کے ذریعے انسانوں تک پہنچیں، وہ اسی اصلی صورت میں تاقیامت انسانوں کی زندگیوں میں اترتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا یہ انتظام فریضۂ **امر بالمعروف ونہی عن المنکر** کی صورت میں مسلمانوں کو عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں فرماتے ہیں:

﴿ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ (البقرة:104)

"اور تمہارے درمیان ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے کہ جس کے افراد لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں، ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں"۔

[١٠] فتح الباري؛ كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبيﷺ۔

یہ ایسا فریضہ ہے جو امت میں دین کو زندہ رکھنے کا موجب ہے۔ پس اگر اس فریضے کو ادا نہ کیا جائے تو امت سے دین اٹھ جائے، اس میں تحریف ہونے لگے، گمراہی عام ہو جائے، امت کی زندگی مفلوج ہو جائے، اور مسلمان خود کو مسلمان سمجھنے کے باوجود اسلام سے عاری ہو جائیں، والعیاذ باللہ!

فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت

فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے امام غزالی علیہ الرحمۃ کا یہ اقتباس ہی کافی ہے، جسے آپ کے بعد بیشتر علماء نے افادیت کے پیشِ نظر من وعن نقل کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ اس اہم فریضے کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

” فإن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر هو القطب الأعظم في الدين، وهو المهم الذي ابتعث الله له النبيين أجمعين، ولو طوى بساطه وأهمل علمه وعمله لتعطلت النبوة واضمحلت الديانة وعمت الفترة وفشت الضلالة وشاعت الجهالة واستشرى الفساد واتسع الخرق وخربت البلاد، وهلك العباد، ولم يشعروا بالهلاك إلا يوم التناد “۔

”امر بالمعروف ونہی عن المنکر دینِ اسلام کا قطبِ اعظم ہے، اور یہی وہ کام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو بھیجا۔ اگر اس کی بساط لپیٹ دی جائے اور اس فریضے کا علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو ہلکا جان لیا جائے تو نبوت معطل ہو جائے، دین مضمحل ہو جائے، کمزوری عام ہو جائے، گمراہی پھیلنے لگے، جہالت پھلنے پھولنے لگے، فساد کا دور دورہ ہو، حماقت کا بول بالا ہو، شہر برباد ہو جائیں اور لوگ ہلاک ہو جائیں اور انھیں اس بات کا ادراک تک نہ ہو، یہاں تک کہ روزِ قیامت آن پہنچے“۔[11]

---

[11] إحياء علوم الدين، من ربع العادات الثاني

داخلی و خارجی، ہر قسم کی حفاظت کا انتظام

فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اتنی اہمیت اسی وجہ سے ہے کہ یہ ہر قسم کی خیر کے فروغ اور ہر قسم کے شر سے دفاع کا ذریعہ ہے۔

___ مسلم معاشرے کی داخلی صورتحال کی بات کریں تو یہ فریضہ مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والی تمام برائیوں، گناہوں اور بدعات و شرکیات کو ختم کرتا ہے، اور انھیں دین کے خالص احکامات پر عمل پیرا بناتا ہے۔ اس نکتے کو سید قطب رحمہ اللہ ان الفاظ میں واضح فرماتے ہیں:

"---وحين يقوم المجتمع المسلم الذي تحكمه شريعة اللّٰه ، فيدين للّٰه وحده ولا يدين لسواه ، يكون الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر في داخل هذا المجتمع؛ ويتناول ما يقع فيه من أخطاء وانحرافات عن منهج اللّٰه وشرعه"۔

"ایک حقیقی مسلم معاشرے میں ___ جہاں اللہ کی شریعت حکمراں ہو اور دین 'ما سوا اللہ' سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کے لیے خالص ہو ___ وہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ضرور زندہ ہوتا ہے۔ پھر یہی فریضہ معاشرے کو شریعت کی مخالفت اور منہج الٰہی سے انحراف کی راہ اختیار کرنے سے روکتا ہے"۔[۱۲]

___ خارجی سطح پر بات کریں تو یہ فریضہ کفار کو مخاطب کرتا ہے اور انھیں حق کی طرف دعوت دیتا ہے، اور ان کی ہٹ دھرمی اور ان کی جانب سے حملے[۱۳] کی صورت میں جہاد[۱۴] کے ذریعے ان کی

---

[۱۲] في ظلال القرآن: سورة التوبة، الآية ۱۱۲

[۱۳] یہاں 'ہٹ دھرمی اور حملے' کے الفاظ استعمال کر کے جہاد کی دونوں اقسام؛ دفاعی و اقدامی کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

[۱۴] جس طرح علمائے دین نے 'دعوت الی اللہ' کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں شامل کیا ہے، اسی طرح 'جہاد فی سبیل اللہ' کو بھی اسی فریضے کی ایک شاخ قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے علامہ سعدی رحمہ اللہ کے قول سے واضح ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ اس موضوع پر مزید گفتگو باب اول میں آئے گی۔

سرکوبی کرتا ہے۔ یوں ان دونوں صورتوں میں حق کا بول بالا ہوتا ہے اور دین غالب ہوتا ہے جبکہ باطل سرنگوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ (ال عمران: 110)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو"۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

" يمدح تعالى هذه الأمة ويخبر أنها خير الأمم التي أخرجها اللّٰه للناس، وذلك بتكميلهم لأنفسهم بالإيمان المستلزم للقيام بكل ما أمر اللّٰه به، وبتكميلهم لغيرهم بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر المتضمن دعوة الخلق إلى اللّٰه وجهادهم على ذلك وبذل المستطاع في ردهم عن ضلالهم وغيهم وعصيانهم"۔

"یہاں اللہ تعالیٰ اس امت کی تعریف فرمارہے ہیں اور بتارہے ہیں کہ یہ وہ بہترین امت ہے جسے اللہ نے لوگوں کے لیے نکالا ہے۔ (یہ بہترین اس طرح ہے کہ) یہ ایمان لاکر اور اللہ کے ہر حکم پر عمل کرکے پہلے خود اپنے نفوس کی تکمیل کرتے ہیں، اور پھر نیکی کا حکم دے کر اور برائی سے روک کر دوسروں کی بھی تکمیل کا سامان کرتے ہیں، کہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اسی کی خاطر ان کے خلاف جہاد کرتے ہیں، اور ان کو گمراہیوں ونافرمانیوں سے روکنے کے لیے مقدور بھر کوششیں صرف کرتے ہیں"۔[15]

پس اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو بہترین امت کا خطاب دیا تو وہ بھی اسی فریضے کی ادائیگی کے سبب دیا۔

---

[15] تيسير الكريم الرحمان في تفسير كلام المنان؛ سورة ال عمران، الآية ١١٠۔

فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر؛ امت کی قیادت کا بنیادی کام

دین میں فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسی اہمیت کے سبب شریعتِ مطہرہ نے اسے امت کی قیادت کا بنیادی کام قرار دیا ہے، تاکہ مقتدر حضرات، اقتدار و قوت کے ساتھ یہ فریضہ سر انجام دیں اور یوں امت کی زندگی میں دین کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴾ (الحج: 41)

''یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں''۔[۱۶]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

'' وفيه إيجاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر على من مكنه الله في الأرض وأقدره على القيام بذلك ''۔

''یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس شخص پر فرض ہے جسے اللہ زمین میں تمکین عطا فرمائیں اور اسے (تمکین و اقتدار کی بدولت) اس فریضے کی ادائیگی کی مکمل قدرت حاصل ہو''۔[۱۷]

---

[۱۶] گو یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے، مگر علماء نے (دیگر مقامات کی طرح) یہاں اس خبر سے احکام اخذ کیے ہیں، جیسا کہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا قول ثابت کر رہا ہے۔ اسی طرح قاضی ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (م ۵۴۲ھ) بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''وإنما الآية آخذة عهدًا على كل من مكنه الله'' (ترجمہ) ''یہ آیت ہر اس بندے سے (ان چار کاموں کی انجام دہی کا) عہد لے رہی ہے جسے اللہ (زمین میں) تمکین عطا فرمائیں'' (المحرر الوجیز)۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ بھی اپنی تفسیر میں حضرت ضحاک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے اور اسے پسند فرماتے ہیں کہ ''هو شرط شرطه الله على من آتاه الملك'' (ترجمہ) ''جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حکومت عطا فرمائیں، ان پر اس آیت میں مذکورہ کام شرائطِ حکومت کا درجہ رکھتے ہیں''۔ (الجامع لأحکام القرآن)

[۱۷] فتح القدير؛ سورة الحج، الآية ٢١

یہی وجہ ہے کہ علمائے دین نے جہاں بھی حکام وولاۃ کے فرائض واحکامات کا تذکرہ کیا ہے تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے۔[18] امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تو خلافت کی تعریف میں بھی اسے شامل فرمایا ہے۔ آپ رحمہ اللہ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" هي الرياسة العامة في التصدي لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية وإقامة أركان الإسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة وإعطاءهم من الفيء والقيام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابة عن النبي صلي الله عليه وسلم "۔

"(خلافت) ایسی حکومتِ عامہ کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے (دنیا میں) دین کو (بالفعل) قائم کرے؛ اور اس کی خاطر علومِ دینیہ کا احیاء کرے، ارکانِ اسلام قائم کرے، جہاد اور اس سے متعلقہ امور سرانجام دے ـــــ مثلاً لشکروں کا انتظام وانصرام، قتال کے لیے ان کی روانگی، انھیں فے میں سے ان کے حصے کی ادائیگی ـــــ نیز شعبہء قضاء قائم کرے، حدود نافذ کرے، مظالم رفع کرے اور **امر بالمعروف ونہی عن المنکر** کا فریضہ ادا کرے"۔[19]

---

[18] ویسے خلیفہ کے تمام افعالِ مشروعہ ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی قبیل سے ہوتے ہیں، تاہم جب خصوصی طور پر بات کی جاتی ہے تو حکومت کی سطح پر یہ فریضہ تین شعبوں 'قضاء'، 'مظالم' اور 'حسبہ' کی صورت دھار لیتا ہے، اور ان تینوں کی تفصیل علماء کتبِ سیاست میں ذکر فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو أحکام السلطانیۃ للماوردی رحمہ اللہ)۔ ان شاءاللہ آئندہ ابواب میں ان شعبوں کے حوالے سے مزید گفتگو کی جائے گی۔

[19] إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء؛ جلد اول، مقصدِ اول، فصلِ اول در خلافتِ عامہ

مفکرِ اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ تو اس فریضے کی اس قدر اہمیت بیان کرتے ہیں کہ اس ایک کی ادائیگی کے لیے دنیا میں سیاسی قوت واقتدار کے حصول کو لازم ٹھہراتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام میں جس قدر اہم فریضہ ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ امت کی بعثت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے:

'تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہو، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو'۔ (ال عمران:۱۱۰)

اور قیامت تک کے لیے مسلمانوں کا یہی فرض قرار دیا گیا ہے:

'تم میں ایک ایسی جماعت رہنی چاہیے جو بھلائی کی طرف دعوت دیتی رہے، نیکی کا حکم کرتی رہے، اور برائی سے روکتی رہے'۔ (ال عمران:۱۰۴)

لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے لیے امر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ امر و نہی کے لفظ میں اقتدار اور تحکم کی شان ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ بھلائی اختیار کرنے کے لیے درخواست وعرض کریں گے۔ پس امر و نہی کے لیے سیاسی اقتدار اور مادی قوت کی ضرورت ہے اور امت کا فریضہ ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے"۔[۲۰]

پس مدعا یہ ہے کہ اس فریضے کا تعلق چونکہ امت کی زندگی میں احیائے دین سے ہے اور اس کی ادائیگی کے بغیر دفاع وبقائے امت ودین ناممکن ہے، لہٰذا یہ کام اپنی کامل صورت میں اسی وقت ممکن ہے جبکہ حکومت کی سطح پر اس کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے، اور قوت کے ساتھ اسے انجام دیا جائے۔ یہ بات خود اس فریضے کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔

---

[۲۰] تاریخِ دعوت وعزیمت؛ حصہ ششم، جلد اول۔

عصرِ حاضر میں امتِ مسلمہ کی صورتحال اور اس فریضے کی ضرورت

یہ بات سمجھ لینے کے بعد کہ فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر معاشرے میں دین کی حفاظت واحیاء اور اسے قائم رکھنے کا موجب ہوتا ہے، آیئے اب آج کے دور میں امتِ مسلمہ کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں۔

آج امتِ مسلمہ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ہر قسم کی چھوٹی بڑی منکرات وشرکیات، گمراہیاں اور برائیاں نظر آتی ہیں۔ یہاں چند ایک کا ذکر کیے دیتے ہیں، مگر یہ چند ایک ایسی ہیں کہ اپنی جامعیت کے اعتبار سے پوری فضا پر حاوی ہورہی ہیں، مثلاً ہر خطے میں اسلام مخالف کفریہ نظامِ حکومت رائج ہے، مسندِ حکومت ظالم وفاسق، دین سے عاری لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، عدالتوں میں غیر شرعی قوانین نافذ ہیں، معیشت وتجارت سود پر مبنی ہے، معاشرت پر مغربی اقدار کا غلبہ ہے، ذرائع ابلاغ کے ذریعے لادین نظریات کا پرچار صبح و شام ہو رہا ہے، عفت وعصمت کی بجائے بے حیائی کی حکمرانی ہے اور قبروں پر شرک وبدعت کے اڈے سرکاری سرپرستی سے قائم ہیں۔ اس سب کے ساتھ خارجی طور پر کفارِ مغرب ہمارے بیشتر ممالک پر حملہ آور ہیں اور ہمارے بھائی بہنوں کی جان، مال، عزت وآبرو کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔ ایسے میں امت کی زندگی میں دین کی کیا حالت ہوئی، ہر صاحبِ بصیرت شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

آج صورتحال جہاں تک پہنچ چکی ہے، اس کا بنیادی سبب اسی فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی ہے۔ اس صورتحال سے نجات کا راستہ یعنی امت کو ان منکرات میں گم ہو جانے سے محفوظ رکھنے اور دینِ اسلام کو زندہ کرنے کا راستہ، جیسا کہ ذکر ہوا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی ہی سے وابستہ ہے۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ امت میں اس فریضے کو زندہ کیا جائے، اور عوام وخواص سب اپنے اپنے دائروں میں اس فریضے کو سرانجام دیں، تاآنکہ آج جہاں منکرات کا دور دورہ ہے، وہاں معروف کا دور دورہ ہو جائے۔

بنی اسرائیل کا انجام؛ ہمارے لیے عبرت

اگر آج اس بات کا ادراک نہ کیا گیا تو ایک یا دو دہائیوں بعد ہمارے پاس سوائے کفِ افسوس ملنے کے کچھ نہ ہو گا۔ پھر بنی اسرائیل کا انجام بھی ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہیے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں اس طرح فرماتے ہیں:

﴿ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ. كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴾

(المائدة: 78,79)

”بنو اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے، ان پر داؤد اور عیسی بن مریم علیہم السلام کی زبان سے لعنت بھیجی گئی۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے گزر جایا کرتے تھے۔ وہ جس بدی کا ارتکاب کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا طرزِ عمل نہایت برا تھا“۔

رسول اللہ ﷺ ایک طویل روایت میں بنی اسرائیل میں سے اِن لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ اپنے درمیان ہونے والے منکر کو روکتے نہ تھے، لہٰذا حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے ان پر لعنت بھیجی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بندر و خنزیر بنا ڈالا۔ اس حدیث کا آخری ٹکڑا ہمارے حوالے سے ہے جس میں اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

” والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر،------- أو ليضربن الله قلوب بعضكم على بعض ويلعنكم كما لعنهم “۔

اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو آپس میں

خلط ملط کر دے گا اور تم پر بھی اسی طرح لعنت فرمائے گا جس طرح بنو اسرائیل پر فرمائی تھی"۔[21]

حرفِ آخر

یہ مقالہ اسی مقصد کے تحت تحریر کیا گیا ہے کہ اس فریضے کی اہمیت وضرورت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے اور اختصار کے ساتھ اس کے آداب واحکام بتلائے جائیں۔ باقی ہر خطے کے علمائے کرام کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس فریضے کو اپنے اپنے علاقوں میں زندہ کریں، عامۃ الناس کو اس کے آداب واحکام سکھلائیں، خود بھی اس فریضے کو ادا کریں اور مسلمانوں کو بھی اپنے اپنے دائروں میں اس کی ادائیگی کی ترغیب دیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، آمین!

وما توفيقي إلا بالله!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين![22]

(جاری ہے ان شاء اللہ!)

---

[21] سنن الترمذي؛ كتاب التفسير، باب سورة المائدة، وسنن أبي داؤد؛ كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي۔

[22] یہاں مقدمہ ختم ہوا، اگلے شمارے میں ان شاء اللہ باب اول شائع کیا جائے گا۔ (ادارہ)

ایک اور 'اسامہ' کی ضرورت

عاطف بیگ

یہ مضمون ادارے کے پتے پر بذریعہ ای میل موصول ہوا تھا، جسے تلخیص اور ضروری ترمیمات کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔(مدیر)

مغرب اور اسلام کے درمیان آج جو معرکہ بپا ہے وہ حقیقتاً ہمہ جہت ہے۔ کفر اپنے تمام تر عسکری، مالی، مادی وسائل سمیت امتِ مسلمہ اور اس کے دین پر حملہ آور ہے اور موجودہ حالات و واقعات میں یہ معرکہ ایک عظیم رخ اختیار کر گیا ہے۔

نوعِ انسانی کی تاریخ میں باطل نے بے شمار دلائل گھڑے ہیں اور کثیر الجہتی فکر کو نشو و نما دیا ہے لیکن شاید تاریخ میں یہ اس سے پہلے نہیں ہوا کہ باطل نے اتنی کثیر تعداد میں دنیا کے افکار واذہان کو متاثر کیا ہو کہ لوگوں نے اسے ایک طرزِ زندگی کے طور پر اپنا لیا ہو اور انفرادی رویے سے لے کر اجتماعی فیصلوں تک سارے معیارات اس کے مطابق بدل دیے ہوں۔

یہ اس طرح ہوا کہ کفر کے قائم کردہ باطل نظام نے نہ صرف کفر کو ترویج دی بلکہ کفر کی قباحت کے احساس کو ختم کرنے کے لیے چند مستقل معیارات بھی تشکیل دیے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ ان معیارات کی روشنی میں کچھ لوگوں کو ہیرو کا درجہ دے کر ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ چناچہ موسیقی کو نہ صرف ترویج دی گئی بلکہ زمانہ ٔقدیم و جدید سے اس کے حق میں دلائل ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے اور 'ایلوس پریسلے' اور 'مائیکل جیکسن' جیسے موسیقاروں کو اس میدان کا ہیرو بنا کر پیش کیا گیا۔ 'آزادیٔ اظہار' کو نہ صرف ایک فلسفے کے طور پر زندہ رکھا گیا بلکہ اس مادر پدر آزاد 'آزادی'

کو سرکاری سرپرستی بھی فراہم کی گئی، لوگوں کو خود اکسایا گیا۔ سلمان رشدی، گستاخانہ خاکے بنانے والا ملعون مصور اور امریکہ میں قرآن جلانے والا بد بخت پادری اس کی زندہ و جاوید مثالیں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ سب ملعون ہی کیوں نہ ہوں لیکن مغرب تو انہیں آزادئ اظہار کی علامت اور اس میدان کے ہیرو کے طور پر ہی جانتا ہے۔ جمہوری نظام وضع کیا گیا تو اس کے حق میں دلائل لانے اور اس کے نفاذ کی خاطر عملی جدوجہد کرنے والے ہر شخص کو ہیرو قرار دیا گیا۔ چنانچہ 'ابراہم لنکن' سے لے کر 'گاندھی' تک اور 'جارج واشنگٹن' سے لے کے 'نیلسن منڈیلا' تک سب ہی ہیرو قرار پائے۔ قلوب و اذہان کو دنیا میں مگن رکھنے کے لیے کھیل کو جب ایک باقاعدہ صنعت کا درجہ دیا گیا، تو ہر کھیل کے لیے کچھ ہیرو بھی تراشے گئے جن کی پیروی کو نوجوان نسلیں خود کے لیے سرمایۂ افتخار جانیں۔ پس 'میراڈونا' سے لے کر 'ڈان بریڈ مین' تک اور 'محمد علی کلے' سے لے کر 'جہانگیر خان' تک سب ہی ہیرو ٹھہرے۔ مدعا واضح کرنے کے لیے تو اتنی مثالیں بہت ہیں۔

پس ایک طرف جہاں مغرب کی عسکری یلغار نے انسانیت کے جسد پر چرکے لگائے تو دوسری جانب اِس فکری یلغار نے اس کے قلب و ذہن کو پراگندہ کیا۔ رفتہ رفتہ تمام الہامی مذاہب اس حملے کے سامنے دم توڑتے گئے اور صرف اسلام ہی اس خالی میدان میں پوری آن بان شان کے ساتھ مقابلے کے لیے کھڑا رہا؛ اور یہ سعادت بہر حال اسی دین کو حاصل ہونی چاہیے تھی جو اللہ کا آخری پیغام ہو اور وہ بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد قائم ہونے والے عالمی نظام کفر کے کرتا دھرتا بھی یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کے مضبوط و قطعی دلائل اس باطل نظام کی نظریاتی بنیادوں پر کاری وار کر سکتے ہیں اور اسی دین کی کوکھ سے ایسی قد آور شخصیات جنم لے سکتی ہیں جو ان کے خلاف عملی مزاحمت کا نشاں بھی بن جائیں۔ پس ایک طرف تو امت کو عقائدی و فکری محاذ پر گمراہ کرنے کے لیے دانشوروں کی ایک پوری فوج کھڑی کی گئی جو امت کو دینِ اسلام کا ایک مسخ شدہ تعارف کروائے اور نسلِ نو کے ذہنوں میں تشکیک و الحاد کے بیج بوئے۔ دوسری طرف اس بات کا بھی پورا اہتمام کیا گیا کہ نوجوانانِ امت کی نگاہوں میں یا تو مذکورہ بالا موسیقاروں، کھلاڑیوں، سیاسی مداریوں وغیرہ کو ہیرو بنا کر پیش کیا جائے یا زیادہ سے زیادہ کچھ ایسے کرداروں کو جو محض فکر و تخیل کی دنیا کے شہسوار ہوں۔ نیز ایسے ہر فرد کو ان کی نگاہوں سے گرانے اور اس کی سیرت کو مشکوک و مطعون

بنانے کی سعی کی جائے جس کا کردار امت کو غلامی کی زنجیریں توڑنے اور باطل کو للکارنے کا سبق دیتا ہو۔

لیکن یہ آخری دین تھا بہت سخت جان۔ اُدھر سے نظریاتی حملے شروع ہوئے، اِدھر سے فکری مزاحمت وجود میں آگئی۔ ہر خطے کے اہلِ حق علماء و داعی حضرات نے باطل افکار کی تلبیس واضح کی، الحاد وزندقے کا مقابلہ کیا، اشتراکی افکار اور مغربی ثقافت کی دراندازی روکی، حق و باطل کو جدا کر کے پیش کیا اور امت کی نظریاتی سرحدات کا تحفظ کیا۔ لیکن ابھی قوت کا مقابلہ قوت سے کرنے کا مرحلہ باقی تھا اور اس مرحلے کے لیے درکار تیاری کے لیے بھی کسی میدان کی تلاش تھی۔ پس اس ذات پاک نے اپنی بے مثل تدبیر کے ذریعے دین سے چمٹے ہوئے انھی بیدار مغز نوجوانوں کے سامنے جہادِ افغانستان کا دروازہ کھول دیا۔ یہ عظیم الشان معرکہ مسلم تاریخ کا ایک روشن باب بن گیا لیکن اس کی کوکھ سے بھی اس بطلِ جلیل کی پیدائش ممکن نہ ہوئی جو کہ کفر کے خلاف مزاحمت کی علامت ہو، اگرچہ اس کے ظہور کی ابتدائی علامات خاک نشینوں پر ظاہر تھیں۔ اس جنگ کا خاتمہ ہوا اور اقتدار کی چھین جھپٹ نے اس کے روشن چہرے کو دھندلا کر دیا۔ بت شکنوں نے معاملے کا یہ رخ دیکھا تو اپنے اپنے وطن کو سدھارے لیکن بہت سوں پر کفر کے ہتھکنڈے کھل چکے تھے۔ مالِ غنیمت سے حصہ لینے کی بجائے مالک کی رضامندی کے واسطے اپنے صلے کو بھی بھول گئے۔

؎ شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

وقت دبے پاؤں آگے چلتا گیا۔ یہاں تک کہ کفر نے حجاز کی مقدس سرزمین پر اپنے پنجے گاڑے۔ وقت آگیا تھا کہ قدرتِ الٰہی وہ معجزہ دکھادے جو اسلام کے شایانِ شان ہو۔ مالک ارض و سما کو اپنی مقدس زمین کی یوں پامالی پسند نہ آئی۔ بت شکنوں کے دل سے پہلے آہیں نکلیں، پھر سرگوشیوں کا روپ دھارا اور پھر صدائے احتجاج بلند ہوئی جو بالآخر للکار کی صورت اختیار کر گئی۔ اس للکار نے ایوانوں میں لرزہ پیدا کر دیا۔

اُدھر جہاد کی سرزمین پر بھی کچھ بوریا نشینوں نے سر اٹھایا۔ ایک ہاتھ میں گن اور دوسرے میں قرآن، دیکھتے ہی دیکھتے کفر کے بت سڑکوں پر لٹکائے گئے اور اقتدار کے بھوکوں نے بھاگ جانے میں

ہی عافیت جانی۔ حجاز کے مقدس شاہینوں پر زمین تنگ ہوئی تو خراسان کے بوریا نشینوں نے بازو وا کر دیے۔ یوں دو عظیم الشان قوتوں کا ملاپ ہو گیا۔

دونوں نے ایک مقصد کے لیے حلف اٹھایا کہ رب کی دھرتی پر رب کا نظام۔ اس باہمی اختلاط نے ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع فراہم کیا اور سب سے بڑھ کر ایک ایسا ماحول بنا جس میں خدائی قانون روح رواں تھا۔ ایک گروہ اگر مال لایا تو دوسرے نے خلوصِ دل سے وفاداری و حفاظت کا حلف اٹھایا۔ امت کا یہی وہ دور ہے جو چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، مسلکی اختلافات کے باوجود ایک ساتھ رہنے کا مظہر ہے۔ امت کی پچھلی سو سالہ تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ تھا کہ کسی ایک گروہ نے مسلکی اختلاف کے باوجود دوسرے کی قیادت قبول کی ہو اور دوسرے نے پہلے کی عزت کی ہو، اور ہر دو نے ایک دوسرے کے لیے دل کھول کر رکھ دیے ہوں۔ یقیناً یہ عقیدۂ توحید ہی تھا اور رب کی طرف سے ڈالی گئی باہمی الفت تھی۔ پھر علم و عمل کا تبادلہ بھی معرضِ وجود میں آنے لگا۔ صدیوں سے چھایا چلا آنے والا جمود بھی ٹوٹا اور تعصب بھی۔ امت کے فقہاء ان کا مرجع تھے تو کتاب و سنت کی جانب رجوع ان کا دستور۔

یہ کوئی جامد معاشرہ نہ تھا۔ اس میں باہمی ادب و احترام اور رواداری کی وہ فضا تھی جس کی بنیاد قانونِ الٰہی پر تھی۔ یہ معاشرہ جہاں امر بالمعروف کے آداب سے واقف تھا وہیں نہی عن المنکر کے لیے بے چین۔ یہ دو معاشروں کا بھی ملاپ تھا۔ عرب کے شعلہ نوا جھلسے بدنوں کو کوہِ ہندوکش کے چٹان صفت شہسواروں کے ساتھ شیر و شکر ہونے کا موقع ملا تھا۔ ایک گروہ اگر مانندِ مہاجرین تھا تو دوسرا مانندِ انصار۔ اخوت و ایثار کے شاندار مظاہرے وجود میں آئے۔

اس اتحاد و اشتراک کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ دنیا بھر کے صالح ذہنوں کے لیے افغانستان ایک مقناطیس کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چہار عالم سے ہزاروں لوگ ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔ بے عمل اور کمزور مسلمان جن کے دلوں میں ایمان کی کچھ رمق ابھی باقی تھی، اس سرزمین کو اسلام کے نشان کے طور پر دیکھنے لگے۔ کوئی ملا عمر کی صداقت و جاں نثاری کے گن گاتا تھا تو کوئی شیخ اسامہ کی بہادری کا معترف۔ کسی کی زبان پر قندھار کے لنگڑے گورنر کی کہانیاں تھیں تو کوئی کابل میں بے مثال امن کے قصیدے پڑھ رہا تھا۔

صورتحال کا مشاہدہ کرتے کفر کب سے دانت دبائے بیٹھا تھا۔ اس کا شیطانی وجدان اسے کب سے خبر دار کر رہا تھا کہ یہ صرف خالی خولی نظام نہیں اور نہ کچھ جزوی اسلامی قوانین کا مرقع، بلکہ اس کی کوکھ

سے وہ کردار اور واقعات جنم لے رہے ہیں جو عنقریب اس کے مقرر کردہ پیمانوں کو بدل کر رکھ دیں گے، اچھائی اور برائی کو پرکھنے کے لیے 'الٰہی قانون' پھر پیمانہ بن جائے گا۔ لہٰذا اس نے موقع غنیمت جان کر اپنی پوری قوت سے اس پر یلغار کر دی۔ ایمان والوں نے ایک لحظہ ضائع کیے بغیر فیصلہ سنا دیا:

"یہ وہی تو ہے جس کا تمہارے رب اور اس کے رسول ﷺ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا"۔

جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ اور بڑھ کر کفر میں داخل ہوئے، اور جنھوں نے اپنا آپ اللہ کو پیش کر دیا تھا، یہ معرکہ ان کے بلندئ درجات کا ذریعہ بن گیا۔

ایمان اور وفاداری کے حیران کن واقعات پیش آئے۔ قلعہ جنگی کے کنٹینروں اور بیرکوں سے بہتا خون بہت ساروں کے جذبات کو مہمیز دے گیا۔ عقل نے گنگ ہو کر یہ منظر دیکھا کہ ہزار لالچ، دھمکی، تحریص کے جواب میں امیر المومنین صرف ایک فرمانِ رسول بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مسلمان اپنے بھائی کو کافر کے حوالے نہیں کرتا۔

تورابورا کے پہاڑ جہاں شہیدوں کے خون سے تر ہوئے، وہاں کئی منافقوں کے چہرے بھی دنیا کے سامنے کھل گئے۔ غلاموں نے ڈالروں کے بدلے مجاہدوں کے جسم تو کفار کے حوالے کر دیے لیکن ان کی روح امت میں دوڑنے لگی۔ کہیں پر لاشوں سے خوشبو آتی تھی اور کہیں کوئی ظلم رسیدہ قیدی ظلم کے کوڑے کھا کر بھی احد احد کا نعرۂ مستانہ بلند کرتا تھا۔

نشہ اور بردہ فروشی جس قبیلے کی پہچان تھی، وہ اچانک ایک انگڑائی لے کر بیدار ہوا اور ان ستم رسیدوں کا میزبان بن گیا۔ طاغوت کے کروز اور ڈیزی کٹر اپنی ہی گھن گرج میں ڈوب گئے جو اعلان کر رہی تھی کہ: بے کار ہے، ہم سیمنٹ اور پتھر کے بنکر میں تو سوراخ کر سکتے لیکن ان چٹان صفتوں کے ایمان میں نہیں۔ غلام آقا کو بچانے نکلے، سازشوں کا جال بنا۔ شہادتوں پر شہادتیں ہوئیں لیکن ہر گرنے والا لاشہ کئی زندگیوں کو جنم دے جاتا۔

کفر جھنجلا سا گیا۔ میڈیا کو حکم ہوا کہ ناکامی کو کامیابی سے بدل دو۔ شور مچنے لگا۔ دشمن اسامہ، طالبان دہشت گرد، ملا عمر تخریب کار، رٹے رٹائے طوطے کی طرح کا شور۔ لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ سپرنگ کو جتنا دبایا وہ اتنا ہی باہر آیا۔ شیخ اسامہ شجاعت وبسالت کے آئینہ دار ٹھہرے تو ملا عمر جرات ووفاداری کے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام خود کفر ہی کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قرآن سب سے زیادہ بکنے والی کتاب بن گئی۔ قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں پھر بلند ہونے لگیں۔ دین بیٹھک اور چوپالوں کے بحث ومباحثے سے نکل کر ایک زندہ و جاوید اور سنجیدہ مسئلے کا رخ اختیار کر گیا۔ عالمِ افق پر توحید کی کرنیں پھر جلوہ گر ہوئیں۔ قدامت پسندی اور بنیاد پرستی کے طعنوں سے اس کا تو کچھ نہ بگڑا مگر یہ سنت اور بدعت میں تفریق ضرور کر گیا۔ وہ نظریات اور تصورات جو پچھلے ڈیڑھ سو سال میں صرف کتابوں اور درسوں کی زینت بنے ہوئے تھے، وہ یک بیک حقیقت کا روپ دھار گئے۔ افسانوی کردار زندہ و جاوید پیکر میں ڈھل گئے۔ اعلیٰ نسبی، بلند کرداری، شجاعت و بہادری، اطاعتِ رسول، حق کے راستے میں ثابت قدمی اور پامردی جیسے مظاہر، جن کو سید قطب کے الفاظ میں 'سیاست کی منافقت' نے تقریباً دھندلا دیا تھا، وہ شیخ اسامہ و دیگر کے روپ میں جلوہ گر ہو گئے۔

اگر ان واقعات کا معروضی جائزہ لیا جائے تو شاید ہی کسی تحریک نے کم از کم پچھلے پانچ سو سال میں رائے عامہ کو اِس طرح متاثر کیا ہو، اور شاید ہی کسی دوسری تحریک کو ہم 'عالمی تحریک' کا نام دے سکیں جو صرف ایک خطۂ زمین کا قبضہ چھڑانے کے لیے یا مسلمانوں کے کچھ جزوی مسائل کا حل کرنے کے لیے نہ بپا ہوئی ہو، بلکہ عالمی سطح پر عالمِ کفر کے خلاف دین و امت کی مکمل ترجمانی کرتی ہو اور اس کے راستے میں ہر مشکل برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ مزید براں وہ شیخ اسامہ جیسے کرداروں کو بھی جنم دے جو ایک طرف جہاد کا ایک حوالہ ہوں، اور دوسری طرف ایمان اور کردار کی ایک سادہ و بے ساختہ تصویر پیش کریں۔

انھوں نے اس گئے گزرے دور میں بھی ایمان کا ایک معیار قائم کر دیا۔ لمبے درسوں، فکری و نظری مباحث، دینی اصطلاحات کی تشریح سے ہٹ کر ایک سادہ اور غیر مبہم تصور سے امت کو روشناس کرایا۔ اور وہ یہ تھا کہ 'اللہ کے دین کے علاوہ اور کوئی بات قابلِ قبول نہیں'۔ یہ تصور عوام المسلمین میں مقبول ہوا اور یوں وہ اس مقصد میں مکمل کامیاب ہوئے کہ دین کو معاشرے کا مسئلہ بنا دیا۔ (آج کہیں دین کی مخالفت بھی ہو رہی ہے تو وہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دین معاشرے کا موضوع بنا ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے)

عوام کے لیے کسی دور افتادہ پہاڑ کی غار میں بیٹھے ایک بوریا نشین کا مقام، کسی ریاستی ملا سے کہیں بڑھ کر تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں کے چہرے سنتِ رسول سے مزین ہوئے۔ دروس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد اچانک درجنوں سے سینکڑوں اور ہزاروں میں جا پہنچی۔ اپنی بنیاد جاننے کے شوق میں لاکھوں دماغوں نے لائبریریوں اور علماء سے رابطہ کیا۔ ملاحمِ کبریٰ، ظہورِ مہدی، علاماتِ قیامت کے متعلق لوگوں کے اندر کبھی اتنا شوق نہ جاگتا، اگر شیخ اسامہ جیسے کردار پردۂ سکرین پر نمودار نہ ہوتے۔

حق کا ایک اور مرحلہ باطل کا پردہ انتہائی حد تک چاک کر دینے سے تعلق رکھتا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ باطل ہمیشہ ایمان کے ساتھ سیدھی ٹکر لینے سے بچتا ہے۔ وہ دھوکے اور جھوٹ کی آڑ میں کام کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہی 'آمنا سامنا' ہوا وہ بے نقاب ہو جائے گا۔ اسی مقصد کے لیے حق باری تعالیٰ نے یہ گروہِ مومنین کی ذمہ داری رکھی ہے کہ وہ باطل کو للکاریں، اسے مقابلے پر مجبور کریں تاکہ وہ بے نقاب ہو جائے اور اس کے دجل و فریب کا پردہ چاک ہو سکے۔ پس اس گروہِ مومنین کا بپا ہونا تھا کہ کفر اپنے دجل و فریب کے پردے چاک کر کے باہر آ گیا۔

وہ جو 'انسانی رواداری'، 'دوسروں کی مذہبی روایات کا احترام' کا پرچارک تھا، اس نے نبی کریم ﷺ کے کارٹون بنا کر اپنے اس دجل کا پردہ خود ہی چاک کر ڈالا۔ جن صلیبی جنگوں کے تصور سے ہی وہ کانپ اٹھتا تھا، اس کا اظہار 'بش' نے خود ہی کر ڈالا۔ انسانی جان کے تحفظ کا سب سے بڑا علمبردار افغانستان، عراق اور وزیرستان میں سب سے بڑے قتلِ عام کا مجرم ٹھہرا۔ مذہبی وابستگی سے بالاتر ہو کر ہر انسان کو مساوی مواقع فراہم کرنے کا داعی ہر داڑھی والے سے ایسے خوفزدہ ہوا کہ اسے بنیاد پرست قرار دے کر زندگی کے ہر معاملے سے ہٹانے لگا۔ قانون کی بالا دستی کو سب سے اہم ماننے والا گوانتاموبے کے قیدیوں کو قانونی تقاضوں سے آخری حد تک دور رکھنے کا مجرم پایا گیا۔ پھانسی اور اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی قرار دینے والے نے ابو غریب کی جیل میں ظلم و ستم کی وہ داستان رقم کی کہ اس کے اپنے انصاف پسند چیخ اٹھے۔

اپنی عزت کے تحفظ میں امریکی فوجی پر گولی چلانے والی عافیہ صدیقی کو جہاں ۸۶ سال کی قید کی سزا دی، وہاں اپنی فوجی 'جنسی مریضہ' اور اس کے بوائے فرینڈ ___ جنھوں نے ابو غریب میں انسانیت سے گرے جرائم کا ارتکاب کیا ___ انھیں صرف ڈھائی ماہ 'ذہنی معالج' کی consultancy میں دیا۔

اسی طرح شاتمِ رسول 'رشدی' کو اگر برطانیہ نے 'سر' کے لقب سے نوازا تو جرمنی کی چانسلر 'ملعون کارٹونسٹ' کی تعریف میں رطب اللسان نظر آئی۔ ٹونی بلیئر نے پرائم منسٹری سے فراغت کے بعد 'پوپ کی نوکری' اختیار کی اور بش نے اپنے آپ کو خدا کی طرف سے مامور بتلایا۔ اوبامہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ امریکہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

زرداری کہنے لگا کہ یہ لوگ ہمارا لائف اسٹائل بدلنا چاہتے ہیں۔ گویا خود اقرار کیا کہ اس کا 'لائف اسٹائل' اسلام کے علاوہ کچھ اور ہے۔ مشرف کو مجبوراً 'سب سے پہلے پاکستان' کا نعرہ لگانا پڑا جو نیشنلزم کے کفر کے علاوہ کچھ نہیں۔ بزبانِ قرآن:

"ان کی اصل حقیقت تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو چکی، اور جو کچھ یہ سینوں میں چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے"۔

شکر صد شکر کہ شیخ اسامہ و دیگر کی بدولت ان کے سینوں کا عناد بھی ہم پر کھل گیا۔ وہ کفر کے خلاف دین وامت کے دفاع کی علامت ہیں۔ انہوں نے اپنے کردار اور قربانیوں سے اسلامی معیارات اور کفریہ معیارات کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم کر دی ہے۔ ان سے محبت اللہ کی طرف سے عطا کردہ تحفہ ہے، جس کو بنیاد بنا کر امتِ مسلمہ اپنے حالات وواقعات میں انقلابی تبدیلی لا سکتی ہے۔ وہ صرف ایک مجاہد نہ تھے بلکہ مسلسل قربانیوں نے انہیں ایمان کے اس درجے پر فائز کر دیا تھا جس کی فراست سے شیطان بھی اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ اس پر آشوب دور میں شاید ان تمام اثرات کا احاطہ ممکن نہ ہو جو آپ کی جدوجہد اور شہادت نے امت پر چھوڑے ہیں۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ امت کی بیداری خونِ شہیداں سے مشروط ہے۔

مغرب کا ڈر ٹھیک تھا، اگر وہ شیخ اسامہ کی لاش امت کے حوالے کر دیتا تو اس بدترین فتنے کے دور میں بھی یہ امت دعویٰ کرتی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہمارے جنازے کریں گے۔ شیخ اسامہ پہلے تھے مگر آخری نہیں۔ امت کو اگر اپنا وجود باقی رکھنا ہے تو ایک اور 'اسامہ' کی ضرورت ہے جو کفر کے خلاف ہر محاذ پر کھڑا رہے۔

اور الحمد للہ مسلمان ماؤں کی گودوں میں پھر ایمان کے پھول کھلنے لگے ہیں۔

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت پر
دنیا بھر کے جہادی حلقوں کے تاثرات

جمع وترتیب: حسن حبیب

مرکزی شوریٰ، امارتِ اسلامیہ افغانستان

جہاد کا شجر ہمیشہ مقدس لہو سے سیراب ہو کر ہی ثمر دیتا ہے

''اگر غاصب امریکی اوران کے اتحادی یہ سوچ رہے ہیں کہ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت سے افغانستان اور دیگر مقبوضہ مسلم سرزمینوں میں مجاہدین کے حوصلے پست ہو جائیں گے تو یقیناً یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہو گی۔ جہاد کا شجر تو ہمیشہ مقدس لہو سے سیراب ہونے کے بعد ہی ثمر دیتا ہے اور ایک ایک شہید کی شہادت کے بعد سینکڑوں افراد شوقِ شہادت سے سرشار ہو کر میدانِ جہاد میں نکل آتے ہیں۔

امارتِ اسلامیہ کا یقین ہے کہ اس دور میں شیخ رحمہ اللہ کی شہادت حملہ آور فوجوں کے خلاف جاری تحریکِ جہاد میں نئی روح پھونک دے گی، جہادی موجوں میں مزید طغیانی آئے گی اور آئندہ کے حالات دشمن اور دوست دونوں پر واضح ہو جائیں گے''۔

تنظیم القاعدہ (مرکزی قیادت)

اے مسلمانانِ پاکستان! تمہاری زمین پر شیخ کا مبارک خون بہا ہے، پس اٹھ کھڑے ہو!

”اے مسلمانانِ پاکستان! تمہاری زمین پر شیخ کا مبارک خون بہا ہے، پس اٹھ کھڑے ہو! اور دھوکے باز خائنوں کے اس ٹولے کے خلاف بغاوت کر دو جس نے امتِ مسلمہ کا سب کچھ دشمن کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے اور جسے مجاہدین کے پاکیزہ جذبات کی ذرہ بھر پرواہ نہیں۔ بلاشبہ امریکیوں کی پھیلائی ہوئی نجاست کو دھو ڈالنے اور اس زمین کو امریکی ایجنٹوں سے پاک کرنے کے لیے ایک مضبوط بغاوت کی ضرورت ہے“۔

امارتِ اسلامیہ عراق

خون کا بدلہ خون ہے اور تباہی کا بدلہ تباہی

”ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت سے ان کے مجاہد بھائیوں کے ثبات واستقلال میں مزید اضافہ ہو گا۔ ہم اپنے بھائیوں خصوصا شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ اور تنظیم کے دوسرے قائدین سے کہیں گے: اللہ آپ کے اجر میں اضافہ فرمائے اور اس مشکل گھڑی میں آپ کو صبر عطا کرے۔ اللہ کی رحمت سے آپ اپنے کام میں ڈٹے رہیں۔ ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں کہ امارتِ اسلامیہ عراق کی صورت میں آپ کے بہت سے وفادار جاں نثار موجود ہیں جو راہِ حق پر گامزن ہیں اور ہرگز پیچھے ہٹنے والے نہیں۔ اور اللہ کی قسم! خون کا بدلہ خون ہے اور تباہی کا بدلہ تباہی!“

حرکۃ الشباب المجاہدین صومالیہ

شیخ رحمہ اللہ نے اس دور میں امت کو راہِ نجات دکھلائی اور اس راہ کا سنگِ بنیاد بھی رکھا

”آج ہم امت کے بطلِ جلیل شیخ اسامہ رحمہ اللہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں اور عصرِ حاضر کی مجاہد نسل پر ان کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ نے اس دور میں امت کو راہِ نجات دکھلائی اور اس راہ کا سنگِ بنیاد بھی رکھا۔ نتیجتاً مجاہدین جوق در جوق

ہر سمت سے امڈ پڑے اور لفظِ 'جہاد' کو بلادِ اسلامیہ کے چپے چپے پر پھر سے ایک زندہ حقیقت بنا دیا"۔

تنظیم القاعدہ جزیرۂ عرب

امریکی یہ جان لیں کہ شیخ کی جلائی ہوئی چنگاری اب مزید بھڑک اٹھی ہے!

"امریکیوں نے شیخ کو شہید کر دیا لیکن کیا شیخ کے ساتھ ہی وہ دین بھی رخصت ہو گیا جس پر شیخ ایمان رکھتے تھے؟ کیا شیخ کی دعوت اور ان کا دیا ہوا منہج مٹ گیا؟ اور کیا شیخ کی بیدار کردہ جہادی روح بھی شیخ کے ساتھ ہی اس امت سے چل بسی؟ امریکی یہ جان لیں کہ شیخ کی جلائی ہوئی یہ چنگاری تو اب مزید بھڑک اٹھی ہے۔ یہ شہادت امت کی حیاتِ نو کا سبب بنے گی۔ اس امت کے نظریات اس کے رجال کی شہادت سے مردہ نہیں ہوتے، بلکہ امت کے افراد کا خون ان نظریات کو مزید تقویت فراہم کرتا ہے اور ہماری قیادتوں کی قربانیاں ہمارے پیغام کی سچائی کو بالکل عیاں کر دیتی ہیں"۔

تنظیم القاعدہ بلادِ مغربِ اسلامی

شیخ رحمہ اللہ آئندہ نسلوں کے لئے صدق ووفا اور صبر ورضا کا ایک لائق تقلید نشاں بن گئے ہیں

"اے عزیزو! آج کا دن تعزیت اور مبارک باد کا ایسا دن ہے کہ جس میں خوشی کے ساتھ غمی اور رضامندی کے ساتھ غصہ مل گیا ہے۔ جی ہاں! ہم غمزدہ ہیں کیونکہ ہم اپنے دلوں میں اپنے پیارے شیخ کے فراق کا سوز محسوس کرتے ہیں۔ وہ قابل تعریف سیرت اور مبارک کردار کے مالک تھے۔ اللہ نے انہیں خیر و بھلائی کی بہت سی خصلتوں سے نوازا تھا اور پوری زمین میں ان کے لئے قبولیت و محبت رکھ دی تھی۔

لیکن ہم یہ سوچ کر خوش بھی ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنی مراد پالی اور اس شہادت کو حاصل کر لیا جس کے لئے وہ بے چین تھے اور ان شاء اللہ وہ ابرار کے رتبے کو پہنچ

گئے۔ پس الحمدللہ وہ اپنے بعد والوں کے لئے ایک لائقِ اقتداء نمونہ چھوڑ گئے اور آئندہ نسلوں کے لئے صدق ووفا اور صبر ورضا کا ایک لائقِ تقلید نشاں بن گئے"۔

جماعۃ التوحید والجہاد بیت المقدس

اللہ کی قسم! ہم ضرور راہِ جہاد پر ڈٹے رہیں گے

"شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت میں ہمارے لیے عظیم اسباق ہیں جو ہمارا حوصلہ بڑھانے کا سبب ہیں۔ وہ اپنے جسدِ اطہر کے ساتھ اس دنیا سے رحلت فرما گئے لیکن ان کی روح ہمارے درمیان یہ منادی کرتی پھر رہی ہے کہ 'تم عزت وعظمت کی راہ کو کبھی ترک نہ کرنا' اور ان کی صدا مسلسل ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے کہ 'الجہاد الجہاد'۔ پس ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم ضرور راہِ جہاد پر ڈٹے رہیں گے اور اپنے امامِ مجدد کے نقشِ قدم پر چلتے رہیں گے۔ بزدلوں اور شکست خوردہ لوگوں کی کثرت ہمیں ہرگز ضرر نہیں پہنچائے گی اور پسپائی اور طواغیت کی غلامی کی دعوت ہمیں متزلزل نہیں کرے گی۔ ہماری ماؤں نے ہمیں باعزت جنا ہے، ہم نے غیرت وحمیت کا جام نوش کیا ہے اور شیخ الاسلام اسامہ رحمہ اللہ کی سیرت نے ہمیں اس کی حلاوت عطا کی ہے۔ اے اللہ کے دشمن یہود ونصاریٰ، مرتدین اور ان کے حلیفو! تمہیں ہماری طرف سے تباہی کی نوید ہو"۔

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کے فرامین

ترجمہ: عثمان خان یوسف زئی

امتِ مسلمہ نے خلافتِ راشدہ کے مبارک دور کے بعد تین بڑی خلافتوں؛ خلافتِ امویہ، خلافتِ عباسیہ اور خلافتِ عثمانیہ کا نظارہ کیا۔ خلافت کے اس شجرِ سایہ دار تلے جہاں ایک طرف یہ امت اپنے دین پر بلا روک ٹوک عامل رہی، وہیں اس کو بحیثیتِ مجموعی کفارِ عالم پر غلبہ و عروج بھی حاصل رہا۔ امت کا دین بھی محفوظ رہا اور اس کی جان، مال اور عزت بھی محفوظ۔ اگرچہ بعض مراحل میں خلافت کے اس ادارے میں کمزوریاں بھی دیکھنے کو ملیں، لیکن کمزوریوں کے باوجود بھی فقط اس کا وجود ہی مسلمانوں کے لیے بہت بڑے سہارے کا موجب رہا اور وہ صدیوں تک ایک مرکز پر، ایک قیادت تلے متحد رہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جب خلافتِ عثمانیہ کا سقوط ہوا تو پورے عالمِ اسلام پر غلامی کے دبیز بادل چھا گئے، اور قریباً پون صدی اسی مہیب تاریکی میں گزری۔ پھر یکا یک افغانستان پر روسی حملے کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس خطے میں ایک جہادی تحریک بپا ہوئی اور روس کے نکل جانے کے بعد، ۱۹۹۶ء میں، ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کی قیادت میں طالبان نے امارتِ اسلامیہ افغانستان کی بنیاد رکھی۔ اللہ کے فضل سے اسلام کا یہ شجر قریباً چھ سال مسلمانوں کے لیے برگ و بار لایا اور امت دوبارہ بتدریج ایک مرکز کے گرد مجتمع ہونے لگی۔ مگر اس امارت کے مضبوط و مستحکم ہونے سے قبل ہی کفارِ مغرب نے اس مرکز پر حملہ کر دیا اور یہ معرکہ تاحال جاری ہے۔

یقیناً یہ دور تاریخِ اسلام کا ایک سنہری دور تھا، لیکن اہلِ قلم نے اس کے درخشاں پہلو محفوظ کرنے پر کماحقہ توجہ نہ دی۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے ادارۂ حطین نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور پہلی کڑی کے طور پر امارتِ اسلامیہ کے پونے چھ سالہ دور میں جاری کردہ احکامات و فرامین کو نشر کرنے کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ (مدیر)

په جنگ کې د ناوړه کارونو او منکراتو دمخنیوی په هکله

دافغانستان اسلامي امارت دمقام

فرمان

گڼه : (۴۴)

نیټه : ۱۴۲۱/۷/۱۲ هـ.ق

ټولو محترمو نظامي مسئولینو ته !

السلام علیکم ورحمت الله وبرکاته !

لکه څرنگه چې زموږ او ستاسو د جهاد مقصد د خـــدای (ج) پـــر مځکــه د الله پاک د نظام قائم کول دی نو ددی مقدس هدف دلاس ته راوړلو لپـــاره ضروری ده چې د شرعی اصولو سره سم پـــه هروخــت او هـــر ځای کـــی اجراآت وکړی خو داچې د جنگ په وخت کی بعضی ناوړه او منکر کارونـــه کیږی او همدغه بعضی منکرات په جنگ کی د زیاتو شهیدا نو او زخمیـــانو سبب کیږی تاسو ټوله په گډه سره دناوړه کـــارونو او منکراتـــو د مخنیوی لپاره متوجه شی او په هر قیمت چې وی ددغه ناوړو کارو مخنیـــوی وکـــړی ترڅو غاړی مو خلاصی شی او جهاد موکماحقه جهاد شی.

والسلام

داسلام خادم

امیرالمؤمنین ملا محمد عمر (مجاهد)

جنگ کے دوران انجام پانے والی کوتاہیوں اور منکرات کی روک تھام کے لیے امارتِ اسلامیہ افغانستان کا جاری کردہ حکم نامہ

امارتِ اسلامیہ کے تمام قابلِ احترام مسئولین کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے جہاد کا مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا ہے۔ اس مقدس ہدف کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہر حال میں اور ہر جگہ شرعی اصولوں کی پاسداری کی جائے اور انھی کے مطابق عمل کیا جائے۔ لیکن (امرِ واقع یہ ہے کہ) جنگ کے دوران بعض غلط اور منکر کام سرزد ہو جاتے ہیں اور یہی منکرات جنگ کے دوران نقصانات میں اضافے اور شہداء اور زخمیوں میں زیادتی کا سبب بنتے ہیں۔ لہٰذا (آپ سب کو یہ حکم جاری کیا جاتا ہے کہ) آپ ان منکرات کی روک تھام کی طرف توجہ فرمائیں، اور ہر قیمت پر ان کی بیخ کنی کریں، تاکہ ہم پر عائد نہی عن المنکر کی ذمہ داری بھی ادا ہو سکے اور ہمارا جہاد بھی واقعتاً ایک خالص جہاد بن جائے۔

والسلام

خادمِ اسلام

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد

إن الحكم إلا لله

خلافتِ اسلامیہ اور دیگر نظام ہائے سیاسی (تسہیل شدہ)

مولانا قاری طیب رحمہ اللہ

یہ اقتباس مصنف کی کتاب **"فطری حکومت"** سے لیا گیا ہے۔ (مدیر)

خلافتِ اسلامیہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور بادشاہت جب تکوینی دائرے سے آگے بڑھ کر تشریعی دائرے میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کی اشرف ترین مخلوق انسان، نائبِ الٰہی ہونے کے ناطے، جب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو زمین پر نافذ کرتی ہے تو اسی کا نام 'خلافتِ اسلامیہ' ہے۔ خلافت رب تعالیٰ کی آسمانی بادشاہت کا زمین پر عملی مظہر ہے۔ جس طرح آسمان پر رب تعالیٰ کی بادشاہت ہے، اسی طرح زمین پر بھی حاکمیت اسی کو زیبا ہے اور اسی حاکمیت کو قائم کرنا خلافت کہلاتا ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور دیگر نظام ہائے حکومت وسیاست میں فرق

ہم یہاں اسی ربانی نظامِ سلطنت یعنی خلافتِ اسلامیہ کا نقشہ ذکر کریں گے اور دیگر باطل نظریہ ہائے حکومت، جن میں انسان اللہ تعالیٰ کی بجائے خود مطلق العنان بن بیٹھتا ہے، سے اس کا موازنہ کریں گے۔ خلافتِ اسلامیہ میں دینِ اسلام کے اصولوں کے مطابق مخلوقِ خداوندی کی تربیت کی جاتی ہے، جبکہ دیگر نظاموں میں خدائی بادشاہت کا نام تو استعمال کیا جاتا ہے مگر درپردہ انسانی اقتدار واستبداد ہی کارفرما رہتا ہے اور رب تعالیٰ کا نام استعمال کرکے انسان بزور حاکم بن بیٹھتے ہیں۔

خلافتِ اسلامیہ اور یہود کا نظامِ حکومت:

خلافتِ اسلامیہ یہودیوں کی آسمانی حکومت کی طرح نہیں ہے جس میں بادشاہ کو عمیلِ خدا (کارندۂ الٰہی) ظاہر کر کے اس کے انتخاب و تقرر، اُس کے صادر کردہ حکم اور اس کی ساری حکومت کو مِن جانب اللہ ثابت کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس کا ہر فعل خدا ہی کا کیا ہوا ہے، لہٰذا مخلوق کو بادشاہ سے سرتابی اور انحراف و بغاوت کی مجال نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ یہودی نظامِ حکومت میں احکامات صادر تو انسان کرتے ہیں مگر ان احکامات کو خدا کے نام پر واجب الاطاعت بنا دیا جاتا ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور عیسائی نظامِ حکومت:

اسی طرح اسلام کا نظامِ خلافت عیسائیوں کی آسمانی بادشاہت کی طرح بھی نہیں جس میں پاپائے روم نے بادشاہ کو خدا کا اوتار قرار دیتے ہوئے شاہی طاقت کو عین الٰہی طاقت ثابت کر دیا اور بادشاہ سے بغاوت فی الحقیقت خدا سے بغاوت سمجھی گئی۔ یوں عیسائی نظامِ حکومت کا حاصل بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسانی مطلق العنانیت کو خدائی اقتدار کے پردے میں چھپا کر حق بجانب قرار دیا جائے۔

خلافتِ اسلامیہ اور یونانی نظامِ حکومت:

اسلامی نظامِ خلافت یونانی نظریۂ حکومت سے بھی بلند تر ہے جس کے مطابق حکومت قوم اور بادشاہ کے مجموعے (یعنی ہر دو کی مرضی) سے بنتی ہے۔ لیکن دیوتاؤں کی دعائیں بہر حال بادشاہ کی کفیل رہتی ہیں اور بادشاہ جو کچھ بھی کر گزرے___ قوم پر اس کی اطاعت اس لیے ناگزیر ہے کہ اس کی حکم عدولی کا مطلب دیوتاؤں کی مخفی طاقت سے ٹکر لینا ہے؛ اور بادشاہ سے انحراف فی الاصل دیوتاؤں کے تصرف سے بغاوت ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور مہابھارت کی بادشاہت:

اسی طرح خلافتِ اسلامیہ مہابھارت کی تجویز کردہ خدائی بادشاہت بھی نہیں جس میں بادشاہت کو ربّانی پیداوار کہہ کر اس کی عظمت کو عین خدا کی عظمت بتلایا گیا ہے۔ پھر اسی باطل تاویل کو استعمال کرتے ہوئے راجائی طاقت کو الٰہی طاقت کے نام سے منوایا گیا اور سیاسی مقاصد مذہبی تعظیم کے حیلے سے پورے کیے گئے۔ جیسا کہ آج بھی مختلف سیاسی پارٹیاں دین و مذہب کے نام پر اپنے سیاسی مقاصد پورے کرتی ہیں اور خدائی حکومت کے حیلے سے عوام کے جذبات کو بے تکلف استعمال کرتی رہتی ہیں۔

حقیقی حاکمیتِ الٰہی

غرض ان تمام نظریات میں خدا کا نام استعمال کر کے انسان کو خدائی کے اختیارات سونپے گئے اور شخصی مطلق العنانیت کو مذہب کے پردے میں چھپا کر پروان چڑھایا گیا۔ لیکن اسلام کے نظامِ خلافت میں اس کے برعکس خلیفہ کے تمام ذاتی اختیارات سلب کر کے اللہ تعالیٰ کے قانون کی طرف منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ **خلافتِ اسلامیہ میں امیر کو نہ قانون سازی کا حق ہے، نہ ہی حکم و حکومت کا، بلکہ وہ صرف قانونِ الٰہی کی تنفیذ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔** خلیفہ کی عظمت اگر رکھی گئی ہے تو وہ اس کے ذاتی تقویٰ وطہارت اور پابندیٔ قانونِ الٰہی کے معیار پر رکھی گئی ہے، نہ کہ خلیفہ یا امیر کا لفظ اس کے نام کے ساتھ لگ جانے کی وجہ سے۔ اس کے پاس قوانین بنانے کے اختیارات نہیں بلکہ ان کے نفاذ کے لیے کی جانے والی تدابیر کے اختیارات ہیں۔ اور اس میں تنہا خلیفہ کی شخصی رائے کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اہل حل و عقد کا مشورہ بھی ضروری قرار دیا گیا تاکہ امیر میں خدائی نیابت کے نام پر شخصی اقتدار و حکمرانی کا تصور بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

پس اللہ تعالیٰ نے آسمانی بادشاہت کی طرح زمینی بادشاہت بھی اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور یہ بھی برداشت نہیں کیا کہ زمین پہ خلافت وامارت کا نقشہ بھی کوئی انسان تجویز کرے۔ امارتِ اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی کائنات بھر پر قائم بادشاہت و حکومت کا تسلسل ہے جس کی روح اسی آسمانی بادشاہت کے اصول و فروع ہیں، انسانوں کے تراشیدہ قوانین وآئین نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ اس تصور سے قطعی طور پر پاک ہے کہ انسانی حاکمیت کو فروغ دینے کے لیے خدا کا نام استعمال کیا جائے۔

خلافتِ اسلامیہ کے سات اصول

۱۔ خلافت میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے:

جس طرح آسمانی بادشاہت میں اقتدار اعلیٰ **ذاتِ باری تعالیٰ** کو حاصل ہے، اسی طرح نظامِ خلافت میں بھی مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور زمین میں اسی کی حکومت کی تنفیذ کے لیے اس کا نائب یا گورنر 'رسولِ برحق' اور 'نائبِ رسول' کو بنایا گیا ہے، جسے 'امیر' یا 'خلیفہ' کہتے ہیں۔ پس نظامِ خلافت میں حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مانی گئی ہے اور چونکہ یہ رسولُ اللہ کے واسطے سے مانی گئی ہے، سو رسول اور نائبِ رسول کی اطاعت واجب ٹھہرائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء:59)

"اے ایمان والو! تم اللہ کا کہا مانو اور رسول کا کہا مانو اور (پھر) تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں، ان کا بھی (کہا مانو)"۔

۲۔ خلافت میں میزانِ اعلیٰ یعنی مرکزِ نظام 'قانونِ شریعت' ہے:

خلافتِ اسلامیہ میں مرکزِ نظام اور میزانِ اعلیٰ **'قانونِ شریعت'** ہے جس کے ذریعے اقوامِ عالم سربلند اور سرنگوں کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"المیزان بید الرحمن، یرفع أقواما ویضع آخرین"۔

"میزان رحمان کے ہاتھ میں ہے، جس سے وہ کسی قوم کو سربلند کر دیتا ہے اور کسی کو سرنگوں"۔[1]

۳۔ خلافت میں محورِ نظام 'مجلسِ شوریٰ' ہے:

نظامِ خلافت میں محور **مجلسِ شوریٰ** کو بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری:38)

"اور ان کا ہر کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے"۔

۴۔ خلافت کا مقصدِ اعلیٰ 'اقامتِ دین' ہے:

خلافتِ اسلامیہ کا مقصدِ اعلیٰ **'اقامتِ دین'** ہے جس کا حاصل تربیت و تہذیبِ نفوس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج:41)

"یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

---

[1] المستدرک علی الصحیحین للحاکم: کتاب التفسیر، السنة لإبن أبي عاصم، باب المیزان بید الرحمان

۵۔ خلافت میں مصلحتِ اعلیٰ 'مسلمانوں کے مابین اخوت اور بنی نوع انسان پر شفقت' ہوتی ہے:

نظامِ خلافت کی سب سے بڑی مصلحت امت کے تمام مسلمانوں کے مابین اخوت وبھائی چارگی پیدا کرنا اور انھیں ایک جسم بنانا ہے، اور پھر دیگر تمام اقوام کو اپنے ماتحت لاکر انھیں دنیوی زندگی کی عافیت وشفقت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴾ (الأنبیاء:107)

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات:10)

"مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں"۔

خلافتِ اسلامیہ میں واجباتِ رعیت کے دو اصول:

آخری دو اصول رعایا کے واجبات سے متعلق ہیں، اسی لیے ان کو علیحدہ ذکر کیا جارہا ہے۔

٦۔ خلافت میں حلفِ وفاداری:

خلافتِ اسلامیہ میں حلفِ وفاداری بیعتِ امیر کی صورت میں انجام پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ﴾ (الفتح:10)

"جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ تو اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے"۔

۷۔ خلافت میں عملی اطاعت شعاری:

خلافتِ اسلامیہ میں عملی اطاعت شعاری دراصل تمام معروف امور میں امیر یا خلیفہ کی سمع وطاعت کی صورت میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إسْمَعَ وَأَطِع وَلو عَبْدًا حَبَشِيًّا مُجَدَّعًا"۔

"سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنادیا جائے، جس کے اعضاء بھی صحیح سالم نہ ہوں (یعنی بظاہر وہ حقیر وذلیل سمجھا جاتا ہو)"۔[٢]

---

[٢] صحیح ابن حبان

پس آسمانی بادشاہت کے نقوش پر خلافتِ اسلامیہ کے بھی سات اصول وارکان ہوتے ہیں: خلیفہ، مجلسِ شوریٰ، قانونِ شریعت، اقامتِ دین، اخوۃ و مساوات، بیعتِ خالص اور سمع و طاعت۔

چنانچہ واضح ہوا کہ خلافتِ اسلامیہ یا اسلامی حکومت کے نام سے صرف وہی حکومت قابلِ تسلیم ہے جس میں آسمانی بادشاہت کے یہ ساتوں اصولی نمونے پائے جائیں اور اس کی عمارت انھی سات ستونوں پر قائم ہو۔ اب اگر کہیں اسلامی حکومت کے نام پر شخصی یا قبائلی یا پارٹی اقتدار قائم کیا جائے تو وہ ہرگز خلافت نہیں بلکہ خلافت کی ضد ہوگی۔ کسی بھی سلطنت کی تعمیر میں اگر ان سات اصولوں کی مخالفت ہوگی تو وہ کسی طرح بھی ایک خالص اسلامی خلافت کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔

خلافتِ اسلامیہ انسانوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظاموں کو رد کرتی ہے

مذکورہ بالا سات اصولوں کی بنیاد پر جب خلافت کی عمارت تعمیر کی جائے گی تو خود بخود اسلامی سلطنت کے ایسے مظاہر نمودار ہو جائیں گے جن کے ذریعے انسانوں کی قائم کردہ حکومتوں اور اصطلاحی سیاستوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ ان حکومتوں اور سیاستوں نے انسانوں کو قانون سازی کے خدائی اختیارات دے کر انسانی معاشرے کو بداخلاقیوں، بداعمالیوں اور باہمی پھوٹ کا شکار بنا ڈالا ہے اور دنیا کے امن و سکون کو بے معنی کر کے رکھ چھوڑا ہے۔

اب ہم نظامِ خلافت کے کچھ اثرات کا تذکرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کیسے انسانوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظاموں کو رد کرتے ہیں۔

قانونِ الٰہی کی پابندی کے صالح اثرات

امیر یا خلیفہ کے ساتھ جب میزانِ اعلیٰ یعنی قانونِ شریعت کو جوڑ دیا گیا تو نتیجتاً اب اس امارت میں انسانوں کی قانون سازی تو کجا، کوئی ایک ایسا اختراعی قانون بھی استعمال نہیں ہو سکتا جو انسانی دماغ کی پیداوار ہو۔ کیونکہ انسان کا علم بھی محدود ہے اور اس کی عقل بھی ہر قسم کے نفع و نقصان کا احاطہ نہیں کر سکتی، نیز وہ خود غرضی کی تہمت سے متہم بھی ہے کہ قانون سازی میں اپنا، اپنے قبیلے اور اپنی قوم کا نفع دوسروں پر مقدم رکھے گا۔

پس اگر کسی ضابطے کی جگہ محض انسانی منشاء حکمران ہو تو یہ خالص استبداد ہے، اور اگر قانون تو ہو مگر خود انسان کا اختراع شدہ ہو تو وہ خود غرضی کی تہمت سے بری نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں صورتیں

قابلِ قبول نہیں۔ قانون وہی معتبر اور سارے انسانوں کے حق میں مفید ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہو اور وہ "قانونِ شریعت" ہے جسے آپ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ خلیفہ بھی اُسی کا پابند ہے اور رعایا بھی اسی کی ماتحت۔ **اس طرح خلیفہ کی مطلق العنانیت بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ 'عوام کی حکومت' کا فلسفہ بھی رد ہو جاتا ہے۔** پس اگر خلافت میں بسنے والی پوری رعایا قانون کے سلسلے میں امیر کے سامنے جواب دہ ہے تو امیر خود اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ اسلام میں امیر 'امیر مطلق' نہیں بلکہ 'امیر پابند' ہے، یعنی وہ قانونِ شریعت کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے اور اسے کسی حال میں بھی ذاتی آزادی اور ذاتی خواہشات کی مطلق العنانیت حاصل نہیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ حکومت فی الحقیقت 'قانون سازی' کا نام ہے جبکہ قانون کی تنفیذ اور اس کا اجرا حکومت نہیں بلکہ اطاعتِ حکومت ہے۔ سو قانون ساز ہی حقیقتاً حکمران ہوتا ہے ___ خواہ وہ فرد ہو یا عوام ___ اور ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ قانون سازی نہ انسان کا حق ہے اور نہ ہی وہ اس پر قدرت رکھتا ہے بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے۔ اس لیے حکم اور حکومت بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے جس میں کسی مخلوق کی ادنیٰ سی بھی شرکت نہیں ہو سکتی۔

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (یوسف: 40)

"حکم صرف اللہ کے لیے خاص ہے"۔

چنانچہ قرآنِ حکیم نے اقتدارِ اعلیٰ اور قانونِ اعلیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس کی ذاتی یکتائی اور لاشریکی کے ساتھ ساتھ ملک و سلطنت کے بارے میں بھی یکتا اور لاشریک ٹھہرایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (۱) الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ (الفرقان: 1,2)

"بڑی عالی شان ذات ہے وہ جس نے یہ کتابِ فرقان اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا والوں کے حق میں ڈرانے والا ہو۔ وہ ایسی ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے اور اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا، اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں"۔

قانون سازی غیر اللہ کا حق نہیں:

پس امیر پابندِ حکم ہے، خود حاکم نہیں ہے۔ وہ حکمِ الٰہی کا مقیّد ہے، مطلق العنان نہیں ہے۔ وہ صرف زمین پر قانونِ الٰہی کی تنفیذ کا ذمہ دار ہے، قانون ساز نہیں ہے۔ **اس سے قدرتی طور پر قانون ساز اسمبلیوں، قانون ساز کمیٹیوں اور انسانی اقتدار کی علم بردار جماعتوں کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے۔** اس کی وجہ یہی ہے کہ سارے انسان مل کر بھی اس قدر علم نہیں رکھتے کہ عالمگیر منافع کا کوئی قانون محض اپنے دل و دماغ سے تیار کر سکیں بلکہ اس قانون میں جگہ جگہ اتنی ہی کوتاہیاں ہوں گی جتنی کوتاہیاں خود انسانوں کے علم و عقل میں ہیں۔ **لہٰذا وہ سلطنت کبھی بھی اسلامی سلطنت یا خلافت نہیں کہلا سکتی جس میں قانون سازی میں انسان کا حق تسلیم کیا گیا ہو اور حکمرانی کا منصب انسانوں کو دیا جارہا ہو۔ یہ تو رب تعالیٰ کی صفتِ ملکیت میں بھی شرک ہے اور اس کی صفتِ علم میں بھی شرک ہے اور اُس روحِ عبدیت کے منافی بھی ہے جس کے لیے انسان دنیا میں بھیجا گیا ہے۔** اوراس کے ساتھ ساتھ یہی انسانی حکومت انسانیت میں فتنہ و فساد کی جڑ اور بنیاد بھی ہے کیونکہ کوئی انسان بھی دوسرے انسان کی حکومت و فوقیت تسلیم نہیں کر سکتا، کہ انسان سب برابر ہیں۔ اور اگر جبراً تسلیم کرائی جائے گی تو یہیں سے انکار و بغاوت کا فتنہ سر اٹھائے گا جس سے فسادات، عداوتیں اور لعن وطعن وغیرہ کی حرکات رونما ہوں گی اور ایسی ریاست و حکومت منبعِ فساد ثابت ہوگی۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”خِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ“۔

”تمہارے بہترین امراء وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت رکھیں، تم ان پر رحمت بھیجو اور وہ تم پر رحمت بھیجیں، اور تمہارے بدترین امراء وہ ہیں کہ تمہیں ان سے بغض ہو اور انہیں تم سے بغض ہو، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر بھیجیں“۔[3]

پس ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکت ہے جس کی حکمرانی بلا استثنا ساری کائنات تسلیم کر سکتی ہے اور تمام عالَم کا سیاسی فساد ختم ہو سکتا ہے، سو اسی کو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

[3] الصحيح لمسلم: كتاب الإمارة، باب خيار الأئمة وشرارهم

خلافت میں شوریٰ کے صالح اثرات

مجلسِ شوریٰ کی ضرورت:

پھر اقتدارِ اعلیٰ اور قانونِ شریعت کے ساتھ جب مجلسِ شوریٰ کو نتھی کر دیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں 'قانون سازی' کے لیے تو کسی مجلس کا قیام عمل میں نہیں لایا جا سکتا لیکن 'قانون فہمی' کے لیے مجلس ناگزیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت میں حکمرانی قانونِ شریعت کی ہے اور یہ انسانوں کا تجویز کردہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے جو تمام انسانی دماغوں کے ہر ہر گوشہ پر محیط ہے، لہٰذا اُس کے جامع احکامات میں سے مناسب وقت پر مناسب ہدایت اخذ کرنے کے لیے ایک دماغ کافی نہیں بلکہ یہ اہلیت کے حامل کئی دماغوں کا کام ہے۔ چنانچہ امیر اور قانونِ شریعت کے ساتھ مجلسِ شوریٰ کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

شوریٰ کا فریضۂ منصبی:

پس شوریٰ کا اہم اور بنیادی کام یہ ہے کہ امیر کو نہ قانونِ شریعت سے باہر جانے دے اور نہ قانون کے اندر غلط روی اختیار کرنے دے۔ اس لیے اسلام میں امیر کو مجلسِ شوریٰ سے مشورہ لینے کا پابند بنایا گیا۔ اسلام نے تنفیذِ قوانین، تحفظِ ملک و ملت کی تدابیر، اندرونی واقعات و حالات کے مطابق احکام و مسائل کا انتخاب اور وقت کے مناسب احکام سے جزئیات کا استنباط جیسے اہم امور میں امیر کے لیے مشورہ واجب قرار دیا اور یوں مجلسِ شوریٰ کو امارت اسلامیہ کا بنیادی جزو بنا دیا ہے۔ پس اسلام میں 'امارتِ مطلقہ' نہیں بلکہ 'امارتِ شورائیہ' ہے۔

ڈکٹیٹر شپ اور استبداد کی نفی، نیز خاندانی موروثیت کارد:

یوں خلیفہ کے ساتھ مجلسِ شوریٰ کا جوڑ لگا دینے سے ایک طرف تو شخصی سلطنت اور استبداد کی جڑ کٹ جاتی ہے اور ڈکٹیٹر شپ کسی نہج سے بھی اسلامی چیز قرار نہیں پاتی، ساتھ ہی موروثیت اور خاندانی گدّی نشینی کا فلسفہ بھی رد ہو جاتا ہے اور امیر صالح کا انتخاب اساسی چیز قرار پاتا ہے۔

نیز اس سے 'اہل حل و عقد' (یعنی مجلسِ شوریٰ) کا سب سے اہم اور نازک فریضہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بیدار مغزی اور اعلیٰ ترین فکر و نظر سے ایسی موزوں شخصیت کا انتخاب کریں جو دنیائے خلافت کی سرداری کے لیے اہل اور مناسب ترین ہو۔

پس جس سلطنت کی عمارت ڈکٹیٹر شپ کی بنیاد پر کھڑی ہو یا جس کا بنیادی اصول صلاح ورشد سے قطعِ نظر کر کے محض خاندانیت اور موروثیت ہو تو یقیناً یہ کوئی شرعی اور اسلامی اصول نہ ہو گا۔

امیر اور حقِ فیصلہ:

پھر مشورہ لینے کا پابند کر دینے کے باوجود تمام کاموں کا آخری مرجع خلیفہ ہی کو قرار دیا گیا ہے، یعنی مشورے کے بعد فیصلہ کرنا خلیفہ ہی کا کام ہے، شوریٰ کا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ جن امور کو مجلسِ شوریٰ میں زیرِ بحث لائے گا تو ان میں کئی آرا سامنے آئیں گی، اگر ایسے میں شوریٰ ہی کو فیصلے کا حق دیا جائے تو شوریٰ کا ہر فرد اپنی رائے کو راجح قرار دے گا اور یوں اختلاف برقرار رہے گا جبکہ فیصلہ نہ ہو پائے گا۔ مجلسِ شوریٰ میں اختلافِ رائے خود ہی عدمِ فیصلہ کی دلیل ہے۔ پس جو فیصلہ نہیں کر سکتا، اسے فیصلے کا مالک کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟! شریعت کے ساتھ ساتھ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے۔

چنانچہ فیصلے کا اختیار خلیفہ ہی کے پاس ہے اور اسی کا کام ہے کہ وہ آراءء میں سے موزوں ترین رائے کا انتخاب کرے۔

شوریٰ کے اسلامی تصور سے کثرتِ رائے (جمہوریت) کی نفی:

پس یہ شرعی اصول اس فلسفے (یعنی جمہوریت) کی جڑ ہی کاٹ دیتا ہے کہ فیصلے کی بنیاد کثرتِ رائے ہے، کیونکہ امیر منتخب شوریٰ کی آراء میں رائے شماری اور اکثریت واقلیت کا پابند نہیں بلکہ قوتِ دلیل کا پابند ہے۔ پس قوتِ دلیل اساسی چیز ہے، نہ کہ کثرتِ رائے۔ دینِ اسلام میں انسانوں کی اکثریت کا کسی ایک جانب آجانا حق وباطل کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی لیے اکثریت کو قرآن حکیم نے حد درجہ غیر اہم ٹھہرایا ہے اور دین وملک اور دیانت وسیاست کے تمام ہی دائرں میں اکثریت کی بے وقعتی اور بے اعتباری کھلے لفظوں میں بیان کی ہے۔ قرآن حکیم میں ایک سے زائد جگہوں پہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: 103) — ”اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو“۔

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (ھود: 17) — ”لیکن اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے“۔

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ — ”بلکہ ان میں سے اکثر آدمی نہیں

(العنكبوت: 63) سمجھتے"۔

﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الأعراف: 187)
"اور لیکن اکثر آدمی علم نہیں رکھتے"۔

﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ﴾ (الأنعام: 111)
"لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں"۔

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾ (الأنبياء: 24)
"اور ان میں اکثر آدمی حق کو نہیں جانتے بلکہ اس سے منہ پھیرنے والے ہیں"۔

﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (یونس: 36)
"اور ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق میں ذرا بھی مفید نہیں"۔

﴿وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ﴾ (الأعراف: 102)
"اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھی، اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں"۔

﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (الصافات: 71)
"اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں"۔

﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (یس: 7)
"ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے، سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے"۔

﴿وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ﴾ (الحج: 18)
"اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے"۔

﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (البقرة: 249)
"بارہا چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب

آ گئیں"۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾ (التوبة: 25)

"اللہ تعالیٰ نے بے شمار مواقع پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی کی، جبکہ تمہیں تمہاری کثرت نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہونے لگی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے"۔

﴿قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾ (المائدة: 100)

"آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں، گو تمہیں ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو"۔

﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ (الأنعام: 116)

"اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہا ماننے لگیں تو آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، اور وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور اٹکل پچو لڑاتے ہیں"۔

پس قرآن نے دنیا کی اکثریت سے ایمان کی نفی کی، عقل کی نفی کی، علم کی نفی کی، محبتِ حق کی نفی کی، تحقیق کی نفی کی، بیداری اور فہم کی نفی کی، ایفائے عہد کی نفی کی، ہدایت کی نفی کی، ثوابِ آخرت اور جنتی ہونے کی نفی کی، جہاد میں اکثریت کے گھمنڈ پر فتح و نصرت کی نفی کی، اور قابلِ استعمال اشیاء میں اکثریت کے معیار پر حلال و طیب ہونے کی نفی کی۔ گویا واضح کر دیا کہ دنیا میں ہر دائرے کی اکثریت معیارِ حق تو کیا ہوتی، مرکزِ باطل ہے۔ کیونکہ امرِ واقع یہ ہے کہ دنیا کی اکثریت حماقت، جہالت، کراہتِ حق، اٹکل کی پیروی، غفلت، بدعہدی، ضلالت، عذابِ اُخروی، جہنم رسیدگی اور

شکست خوردگی وغیرہ کا شکار ہے۔ چنانچہ محض عددی اکثریت اسلام کے مطابق کہاں قابلِ وقعت قرار پاسکتی تھی کہ اسے حقوق کے لیے فیصلہ کن اصول تسلیم کیا جاتا اور امیر کو اس کا پابند کر دیا جاتا؟!

کثرتِ رائے کب اور کس شرط پر معتبر ہے:

شریعت کی رو سے کثرتِ رائے صرف ایک صورت میں معتبر ہے، جب مسئلے کے دو پہلو ہوں اور دونوں ہی مباح ہوں۔ ایسے میں کثرتِ رائے کے ذریعے کسی ایک پہلو کو ترجیح دی جا سکتی ہے، مگر اس کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں۔ مثلاً یہ کہ:

- یہ اکثریت دیانتدار لوگوں کی ہونی چاہیے، ورنہ خائنوں اور فاسقوں کی اکثریت کے مقابلے میں بلاشبہ ان افراد کی اقلیت قابلِ ترجیح ہوگی جن کی دیانت و امانت مسلّم اور جن کا فہم وذوقِ سلیم معروف ہو۔
- ایک پہلو کو دوسرے پر ترجیح دینے سے منصوص احکامات میں خلل نہ پڑے۔
- اکثریت جس پہلو کو ترجیح دے اس پر اتنا زور بھی نہ دیا جائے کہ جانبِ مخالف قابلِ ملامت قرار پا جائے۔ یعنی اگر کسی مباح کام کے متعلق (جس کے کرنے یا نہ کرنے کا شریعت نے اختیار دیا ہے) کثرتِ رائے سے اس کا کرنا ترجیح پا جائے تو اس کام کے ترک کو مکروہ یا ممنوع نہ ٹھہرایا جائے، اور اسی طرح اگر اس کام کو ترک کرنا راجح قرار پائے تو اس کام کا کرنا قابلِ نکیر و ملامت نہ سمجھا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ کام مباح نہیں رہے گا بلکہ اباحت کی حدود سے نکل کر واجب یا حرام کی حدود میں آجائے گا اور کسی مباح کام کو واجب و حرام بنانا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حق نہیں۔ پس اگر ایسا کیا گیا تو یہ بدعت کہلائے گا جس کی مذمت سے شریعت بھری پڑی ہے۔
- اکثریت بھی عوام کی نہیں بلکہ ان اہلِ علم و فضل کی معتبر ہے جو ذوقِ تشریع اور حکمتِ شریعت سے بہرہ ور ہوں، ورنہ عوام الناس کی اکثریت اگر کلیتاً بھی کسی مسئلے پر متفق ہو جائے تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اکثریت اسی وقت معتبر ہے جب مسئلہ مباحات میں سے ہو اور اکثریت عوام کی بجائے اہلِ علم و فضل کی ہو اور وہ اکثریت بھی اپنی حدود میں رہے۔ پس منصوصات یعنی فرائض

وواجبات، سنن ومستحبات اور مکروہات ومحرمات وغیرہ میں کثرتِ رائے کا کچھ اعتبار نہیں۔ یوں یہ دائرۂ کار بہت ہی تنگ ہو جاتا ہے۔

خلیفہ اکثریت کا پابند نہیں

پھر ساری شروط جمع بھی ہو جائیں مگر معاملہ حقوق کا ہو تو اُس میں محض عددی اکثریت اس وقت تک کوئی حجت نہیں رکھتی جب تک قواعدِ شرعیہ اُس کی موافقت نہ کریں۔ **پس اصل فیصلہ قواعدِ شرعیہ کی بنا پر ہو گا، نہ کہ اکثریت کے جمع ہو جانے پر۔ اور خلیفہ کو مطلقاً اس عددی اکثریت کا تابع اور محکوم قرار دیا جانا بلاشبہ قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہے۔** اس لیے خلیفہ محکومِ اکثریت نہیں ہو سکتا ورنہ خلیفہ کی محکومیت آمریتِ شوریٰ اور مجبوریتِ امیر پر منتج ہو گی جس کا حاصل لامرکزیت وانتشار ہو گا۔

بہر حال امارت بلا شوریٰ استبداد اور ڈکٹیٹری ہے اور شوریٰ بلا امیر لامرکزیت وانتشار ہے۔ اسلام نے نہ جمہوریت کی افراط باقی رکھی ہے اور نہ موروثی شخصیت کی تفریط، بلکہ امارتِ شورائیہ میں حقیقی اعتدال وجامعیت پیدا کر کے اسے کامل ہیئتِ انتظامی عطا کر دی ہے جو اسلام ہی کی عالمگیر شان ہو سکتی تھی۔ اسلام نے اپنی کمال جامعیت سے خلیفہ وامیر کو فیصلے کا اختیار دے کر اور تمام مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم قرار دے کر لامرکزیت کو ختم کر دیا ہے تاکہ خلافتِ اسلامیہ عوام الناس کی نفسانی خواہشات ومطالبات کے سپرد نہ ہو جائے، اور ساتھ ہی بااثر شوریٰ رکھ کر امیر کے استبداد اور مطلق العنانی کو توڑ دیا ہے تاکہ پوری امت انفرادیت اور شخصی جذبات وتجبر کا شکار نہ بن جائے۔ پس اسلام میں خلیفہ وامیر محتاجِ مشورہ بھی ہے اور صاحبِ عزم بھی۔ انھی دونوں مقاموں کو قرآن نے جمع فرما کر اعلان کیا ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ﴾ (آل عمران:159)

”اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے، پھر جب آپ عزم کر لیں (یعنی کسی ایک رائے کو اختیار کر لیں) تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیجیے“۔

مقصدِ خلافت کے صالح اثرات اور پارٹی سسٹم کا رد

پھر نظامِ خلافت میں امیرِ عام، قانونِ شریعت اور مجلسِ شوریٰ کے ساتھ مقصدِ اعلیٰ یعنی 'اقامتِ دین کے ذریعے تہذیبِ نفوس' شامل کر دینے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی امارت کا نصب العین نہ

استعمار ہے، نہ قوموں کو غلام بنانا، نہ تکثیرِ دولت ہے، نہ تجارت، نہ روٹی ہے اور نہ ہی کرسی۔ صرف ایک ہی نصب العین ہے کہ انسانوں کو گمراہیوں سے نکال کر راہِ راست پر لایا جائے اور انھیں ربِ واحد کی بندگی سکھلائی جائے، تاکہ دنیا میں توحید غالب ہو اور بدی مغلوب ہو جائے۔

اب جبکہ خلافت کا نصب العین الٰہی راستہ ٹھہرا اور اس پر چل کر روحانیت کی تکمیل اور مادیت کی اصلاح اُس کی غرض و غایت ٹھہری ___ تو اسی سے یہ بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ خلافتِ اسلامیہ مختلف الخیال پارٹیوں کا ہتھیار نہیں بن سکتی، کہ مختلف پارٹیاں ووٹ کی طاقت سے برسرِ اقتدار آکر اپنے اپنے نظریات کو پھیلنے اور پھلنے کا موقعہ دیں۔ خلافتِ اسلامیہ کے نصب العین میں مختلف نظریات کی بحث ہی نہیں آتی، کیونکہ یہاں تو صحیح عقیدے اور سچی فکر کے ساتھ انسانیت کی تکمیل کر کے اسے بارگاہِ الٰہی تک باریاب کرنا مقصود ہے، عامۃ الناس کے وساوس اور پراگندہ خیالات کو پرورش دے کر دنیا کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا اور اُن کی یک جہتی کو پامال کر دینا مقصود نہیں۔ پس خلافت ہدایت و بھلائی کا باعث ہوتی ہے، فساد اور شرارتوں کا مخزن نہیں ہوتی۔

چنانچہ اس نصب العین سے پارٹی سسٹم کی جڑ کٹ جاتی ہے جہاں مختلف پارٹیاں اپنے اپنے لیڈران کی زیرِ سرکردگی مختلف نصب العینوں کی حکمرانی کے لیے عوام سے ووٹ حاصل کر کے برسرِ اقتدار آتی ہیں اور عوام الناس کو پراگندیٔ خیال کا شکار بنا کر اُن کا دین و دنیا تباہ کر دیتی ہیں۔ پس جو حکومت بھی پارٹی سسٹم کے اصُول پر قائم ہو گی ___ جس میں ایک لیڈر خود اپنا انتخاب کر کے عوام کے ووٹ سے حکومت میں شامل ہوتا ہے ___ وہ یقیناً اسلامی حکومت نہ ہو گی، بلکہ ایک ایسی حکومت ہو گی جس میں اصلاح پر فساد اور امن و سکون پر بے چینی و اضطراب غالب ہو گا اور وہ کبھی بھی عوام کے لیے سکون و اطمینان کا سامان مہیانہ کر سکے گی۔

قائدینِ جہاد کے اقوال

جمع وترتیب: حسن حبیب

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ فرماتے ہیں

امت کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے لازم ہے کہ ہم احکامِ الٰہی پر کاربند ہوں

”ہم دنیا بھر کے مسلمانوں کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد دلاتے ہیں کہ ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے عزت دی، اب اگر ہم نے اس کے علاوہ کسی شے میں عزت تلاش کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دیں گے۔ چنانچہ امت کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے لازم ہے کہ ہم احکامِ الٰہی پر کاربند ہوں، دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی نصرت کریں، اور ظالموں اور سرکشوں کے خلاف جاری جہادی تحریک کا حصہ بنتے ہوئے خود کو فہم و فراست اور حکمت کے زیور سے مزیّن کریں“۔

امیر جہاد شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے فرمایا

باطل کے بتوں کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ عدل و ایمان کا نظام نافذ کرو

"اے فرزندانِ امت! تم اس وقت بہت ہی اہم موڑ پر کھڑے ہو۔ ظالم حکمرانوں کی خواہشات اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی بندگی سے نجات حاصل کرنے، مغربی تسلط سے رہائی پانے اور امت کو بیدار کرنے کا بہت ہی نادر موقع تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ پس بہت ہی بڑا گناہ اور جہالت ہو گی اگر تم اس موقعے کو ضائع کر دو جس کا انتظار یہ امت دہائیوں سے کر رہی تھی۔ اسے غنیمت جانو اور باطل کے بتوں کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ عدل و ایمان کا نظام نافذ کر دو"۔

امیر تنظیم القاعدہ شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ فرماتے ہیں

ہم اہلِ فلسطین سے یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں

"ہم افغانستان، پاکستان، عراق، صومالیہ، جزیرۂ عرب اور مغربِ اسلامی میں بر سرِ پیکار ہر مجاہد کو یہ تاکید کرتے ہیں کہ وہ صلیبیوں اور ان کے حواریوں کے خلاف اپنی سعی میں مزید اضافہ کر دے۔ اور ہم فلسطین کے مجاہدین سے بھی یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم ان سے اور بیت المقدس کے گرد بسنے والے صابر و مرابط مسلمانوں سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم امریکہ کو امن سے محروم کرنے کی کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے یہاں تک کہ آپ کو فلسطین میں امن حاصل ہو جائے۔ اہلِ فلسطین نے شیخ (اسامہ رحمہ اللہ) کی شہادت کے موقع پر جن جذبات کا اظہار کیا، ہم اس پہ ان کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کا ایسا کرنا امریکہ سے بغض کا واضح اعلان تھا"۔

اے مسلمانانِ پاکستان! تیونس، مصر، لیبیا، یمن اور شام کے مسلمانوں کی طرح تم بھی اٹھ کھڑے ہو!

"ہم پاکستان کے مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دلاتے ہیں کہ وہ بھکاری فوج اور رشوت خور سیاستدانوں سے چھٹکارا پانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ یہی وہ طبقات ہیں جو

آپ کے حقوق غصب کر رہے ہیں اور انہی نے پاکستان کو امریکی کالونی میں بدل ڈالا ہے۔ یہ لوگ جسے چاہتے ہیں قتل کرتے ہیں، جسے چاہتے ہیں گرفتار کر لیتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے ہیں تباہ کر ڈالتے ہیں۔ یہ وہی فوج اور سیاستدان ہیں جنہوں نے پاکستان کی عزت و کرامت کو مٹھی بھر ڈالروں کے عوض بیچ ڈالا ہے۔ اے مسلمانانِ پاکستان! تیونس، مصر، لیبیا، یمن اور شام کے مسلمانوں کی طرح تم بھی اٹھ کھڑے ہو اور اپنے دامن سے غبارِ ذلت جھاڑ ڈالو! (بڑھو اور) ان لوگوں سے نجات حاصل کرو جنھوں نے تمہیں امریکہ کے لیے جنسِ بازار بنا چھوڑا ہے"۔

شیخ ابو یحییٰ حفظہ اللہ فرماتے ہیں

عظمت و رفعت بلا قیمت حاصل نہیں ہوتی

"عظمت و رفعت بلا قیمت حاصل نہیں ہوتی، نہ ہی قربانی دیئے بغیر قومیں معزز بن سکتی ہیں۔ بزدل شخص، چاہے اس کا نیزہ کتنا ہی لمبا ہو یا اس کی تلوار کتنی ہی تیز، ناکام ہی رہتا ہے، جب تک وہ اپنے دل میں حوصلہ پیدا نہیں کر لیتا اور اپنی روح کو فخر سے آشنا نہیں کرا لیتا۔ پس جب تم اپنے دل کو پاکیزہ و منور اور اپنی تلوار کو خودی سے بہرہ ور کر لو گے تو ظلم تمہارا راستہ ترک کر دے گا۔ جو لوگ عظمت کی راہ تلوار کی نوک سے بناتے ہیں، وہ عزت سے جیتے ہیں یا پھر قابلِ رشک موت ان کا استقبال کرتی ہے"۔

امیر تنظیم القاعدہ (بلادِ خراسان) شیخ عطیہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں

علمائے سو سے تعامل کے آداب

"جہاد سے روکنے اور اہلِ جہاد کے خلاف بے جا زبان درازی کرنے والے علمائے سوء کے حوالے سے ہم اپنے نوجوانوں کو یہی نصیحت کریں گے کہ: ایسے علماء کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور ان سے مت الجھیں۔ آپ اپنا کام کرتے رہیں اور مضبوطی سے اپنے رستے پر قائم رہیں، ان شاء اللہ یہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ نیز یہ بھی یاد رکھیے کہ ظلم و زیادتی کسی پر بھی جائز نہیں،

خواہ وہ کوئی عالمِ سوء ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ بھی مت بھولیے کہ ایک انسان میں شر کے ساتھ ساتھ خیر بھی پائی جا سکتی ہے اور ایک ہی شخص میں فسق اور ایمان دونوں جمع ہو سکتے ہیں؛ اور جو شخص بھی مسلمان ہو بہر حال اس میں کچھ نہ کچھ خیر تو ضرور ہو گی۔ اسی لیے کسی مسلمان پر شرعی حکم لگانے میں جائز حدود سے تجاوز نہ کریں، نہ ہی ایسے مسائل میں زبان کھولیں جن کا علم آپ کے پاس نہیں اور جن پر گفتگو کے لیے درکار صلاحیت آپ میں موجود نہیں۔ یہ میدان آپ ان جہادی علماء کے لیے چھوڑ دیں جن پر آپ کو اعتماد ہے اور خود یہی کہیں کہ: 'لا أدري' (مجھے نہیں معلوم)! اگر آپ نے یہ رویہ اپنا لیا، تو میرے عزیز بھائیو! مجھے قوی امید ہے کہ اللہ آپ کی مدد فرمائیں گے اور آپ کو ہدایت پر قائم رہنے کی توفیق بخشیں گے"۔

امیر حرکۃ الشباب المجاہدین (صومالیہ) شیخ ابو زبیر حفظہ اللہ فرماتے ہیں

عظمتِ امت کی بحالی اور شریعت کا قیام جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ممکن نہیں

"دینِ اسلام کا غلبہ سستے داموں ممکن نہیں، اسی لیے ہم اس کی قیمت کے طور پر اپنا اور اپنے پیاروں کا خون پیش کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ مجاہدین، اسلام کے جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ ہم یہ حقیقت اچھی طرح جان چکے ہیں کہ عظمتِ امت کی بحالی اور شریعتِ الٰہیہ کے قیام کی خاطر جہاد کرنا اور اللہ کے دشمنوں سے معرکوں میں نبرد آزما ہونا لازم ہے"۔

امیر تنظیم القاعدہ (جزیرۂ عرب) شیخ ابو بصیر الوحیشی حفظہ اللہ فرماتے ہیں

ہمارے جہاد کا مقصد

"ہمارے اس جہاد کا مقصد جزیرۂ عرب سے قابض افواج کا اخراج، ان کے ناپاک وجود سے اس مقدس زمین کی تطہیر، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کا نفاذ، خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا احیا، کلمہء توحید کی سربلندی، ظالموں کا مقابلہ اور مظلومین کی نصرت کرنا ہے"۔

شیخ انور العولقی حفظہ اللہ فرماتے ہیں

لوگو! یہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا معاملہ ہے

''ان شاء اللہ ہم اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے دفاع سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر لڑتے رہیں گے، ہم اس معاملے پر مسلم امت کے جذبات کبھی سرد نہ ہونے دیں گے اور یہ کفارِ ملعونین ہر دم ہمارے بموں اور گولیوں کے نشانوں پر رہیں گے۔ ہماری مائیں ہم پر روئیں اگر ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے نہ اٹھیں۔ لوگو! یہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا معاملہ ہے۔ اس کے بدلے تو پوری دنیا کا آگ میں جل جانا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا''!

امیر امارتِ اسلامیہ (قوقاز) شیخ ابو عثمان دوکو عمروف حفظہ اللہ فرماتے ہیں

اگر ہمارا ایمان مضبوط اور نیت خالص ہو تو اللہ جل جلالہ ضرور ہماری نصرت فرمائیں گے

''مسلمانوں کی فتح و نصرت کا تعلق کفار و منافقین کی قوت سے ہر گز نہیں، اس کا تعلق خود مسلمانوں سے ہے۔ اگر ہمارا ایمان مضبوط اور نیت خالص ہو تو اللہ جل جلالہ ہماری نصرت فرمائیں گے۔ لہٰذا ہر مجاہد کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط تر کرنے کی فکر میں لگا رہے، صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے اور تلاوتِ قرآن، نوافل، دعا اور تہجد میں دوسروں سے بڑھ کر مجاہدہ کرے''۔

امیر تنظیم القاعدہ (مغربِ اسلامی) شیخ ابو مصعب عبد الودود حفظہ اللہ فرماتے ہیں

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حقائق کی معرفت کے لیے مجاہدین کی جاری کردہ خبروں ہی پر اعتماد کریں

''مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مجاہدین کے بارے میں مرتد حکومتوں کے پھیلائے ہوئے جھوٹ پر ہر گز اعتماد نہ کریں اور حقائق کی معرفت کے لیے صرف اور صرف مجاہدین کی جاری کردہ خبروں اور بیانات کی طرف رجوع کریں''۔

مرتدین کی نجات کا راستہ

"مرتدین سے ہم کہتے ہیں کہ تمہاری نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دربار میں توبہ کر لو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف شروع کردہ اپنی جنگ کو بند کر دو، کفار سے دوستی ترک کر دو اور امت مسلمہ پر جاری ظلم وفساد سے باز آ جاؤ"۔

شیخ جلال الدین حقانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں

امیر المومنین ملا محمد عمر حفظہ اللہ کی مثالی قیادت

"میرا اعتقاد ہے کہ چودھویں صدی ہجری کا کوئی بھی امیر ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ جیسی شجاعت، کرامت، غیرت اور قوتِ عمل کا حامل نہیں۔ بلاشبہ ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور تمام مجاہدین کو اس نعمت کا ادراک ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں اس نعمت کی قدر برقرار رکھے۔ روس کے خلاف جہادی تحریک میں تنظیموں کے باہمی اختلافات اور امراء کی کثرت کے مہلک نتائج کا تجربہ تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ امراء کی کثرت ہی تو جہاد کے ثمرات ضائع کرنے کا باعث بنی اور اسی وجہ سے تو ہمارے مقدس جہاد کی تمام کامیابیاں اور شجاعت کی تمام داستانیں بے ثمر ہو کر رہ گئیں"۔

انڈونیشیا کے بزرگ مجاہد عالم دین شیخ ابو بکر بشیر فک اللہ اسرہ فرماتے ہیں

اگر امریکی ٹھیک کہہ رہے ہیں، تو کیا نعوذ باللہ قرآن غلط ہے؟

" امریکیوں، انگریزوں اور یورپیوں نے اسلام کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے مکروہ مقاصد کو پانے کے لیے ہر طرح کا مکر و فریب استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کفار اسلام کو نقصان پہنچانے والی سیاست سے ہر گز باز نہ آئیں گے۔ اب اگر یہ اپنے چہروں کو خوشنما بنالیں اور کہیں کہ ہماری جنگ تو اسلام کے خلاف نہیں، تو کیا نعوذ باللہ ہم یہ سمجھیں کہ قرآن خطا پر ہے؟ ناممکن!

قرآن کے مطابق تو کفار ہر گز 'ہمارے دین' سے راضی نہیں ہو سکتے.........یعنی ان کی اصل جنگ ہمارے دین سے ہے"۔

(انڈونیشیا کے معروف عالمِ دین شیخ ابو بکر بشیر جن کی عمر اب ستر سال سے بھی تجاوز کر چکی ہے، کو بالی (انڈونیشیا) میں آسٹریلین سیاحوں پر دھماکوں کے سلسلے میں ۱۴ سال قید کی سزا سنائی گئی ہے۔ شیخ نے مستقل یہ مؤقف اختیار کیے رکھا ہے کہ اگرچہ ان کا بالی دھماکوں سے کوئی تعلق نہیں، لیکن یہ دھماکے شرعاً بالکل جائز تھے۔ اسی جرأت مندانہ فتوے کے سبب آپ کو اس پیرانہ سالی میں بھی سزا دی گئی ہے۔ تمام قارئین سے شیخ کی استقامت، حفاظت اور رہائی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔)

شیخ خالد بن عبد الرحمان الحسینان حفظہ اللہ کے ساتھ ادارۂ حطین کی گفتگو

عربی سے ترجمہ شدہ

ادارۂ حطین اس مرتبہ کویت سے تعلق رکھنے والے ممتاز عالمِ دین وداعی "شیخ خالد بن عبد الرحمان الحسینان حفظہ اللہ" کے ساتھ گفتگو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ آپ متعدد کتب کے مصنف ہیں اور آپ کے اصلاحی دروس و خطبات عالمِ عرب، خصوصاً کویت میں بہت مقبول ہیں۔ آپ نے چند سال قبل سرزمینِ خراسان کی طرف ہجرت کی اور شاملِ جہاد ہوئے۔ آج کل آپ تنظیم القاعدہ کی طرف سے مجاہدین کی دینی تربیت وتزکیہ کی ذمہ داری سر انجام دے رہے ہیں۔ ادارہ السحاب کی جانب سے آپ کے متعدد اصلاحی بیانات و مواعظ نشر کیے جا چکے ہیں، جو قلوب کو رب کی طرف راغب کرنے کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہیں۔ (مدیر)

حطین: محترم المقام شیخ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

شیخ خالد الحسینان: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ محترم بھائی!

حطین: سب سے پہلے تو ہم آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیں گے کہ آپ نے اپنے قیمتی اوقات میں سے ہمارے لیے وقت نکالا اور اپنے مشاغل ترک کیے۔ اللہ تعالیٰ اس گفتگو کے ذریعے آپ کی نیکیوں کے میزان میں اضافہ فرمائیں اور اس گفتگو کو ہمارے اور پوری امت کے لیے باعثِ نفع

بنائیں، آمین! محترم شیخ! گفتگو کے آغاز میں ہم آپ سے مختصر تعارف پوچھنا چاہیں گے کہ آپ کب اور کہاں پیدا ہوئے، اور آپ کی زندگی کیسے گزری؟

شیخ خالد الحسینان: میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے بارے میں حسنِ ظن رکھا اور نیکی کی بات کہنے میں میری معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں کو بابرکت بنائیں اور آپ کے اعمالِ صالحہ کو اپنی بارگاہ میں قبول ومقبول فرمائیں، آمین! بے شک اللہ تعالیٰ کرم فرمانے والے، شفقت کرنے والے، صاحبِ جود وسخا ہیں۔

اب آپ کے سوال کی طرف آتے ہیں۔ میری زندگی میں کچھ خاص تو نہیں لیکن چونکہ آپ نے پوچھا ہے تو میں مختصراً عرض کیے دیتا ہوں:

میں کویت میں سن ۱۹٦٦ء میں پیدا ہوا اور ایک ایسے گھرانے میں پلا بڑھا جہاں دینی تعلیم کی جانب خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ ہمارے والد صاحب ہمیں باقاعدگی کے ساتھ باجماعت نماز کی ادائیگی کی تربیت دیتے تھے۔ میں نے اسی عمر میں ایک ایسے مدرسے میں داخلہ لیا جو دیگر مدارس کی نسبت علمِ شرعی کی تعلیم کے حوالے سے زیادہ ممتاز تھا۔ پھر اس کے بعد میں جزیرۂ عرب گیا اور وہاں کی ایک مشہور جامعہ سے اپنی دینی تعلیم کا سلسلہ مکمل کیا، والحمد للہ رب العالمین!

حطین: محترم شیخ! آپ نے علمِ شرعی کی تحصیل کا آغاز کب کیا؟ براہِ کرم اپنے علمی سفر کی بابت ہمیں کچھ بتایئے۔

شیخ خالد الحسینان: میں نے سن ۱۹۸٦ء میں علمِ دین کی تحصیل کا آغاز کیا۔ میں نے تین سال جزیرۂ عرب کے معروف عالم، شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے فیض حاصل کیا۔ اسی طرح میں نے تین سال شیخ سلیمان العلوان اور دیگر مشائخ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس دوران میں نے اپنا زیادہ تر وقت 'علمِ عقیدہ' اور 'علمِ فقہ' کے حصول میں صرف کیا، کیونکہ یہی دو چیزیں ہیں جن کی انسانوں کو سب سے زیادہ ضرورت ہے اور انھی کے بارے میں کل کو پوچھا جائے گا۔

حطین: ہم جانتے ہیں کہ میدانِ جہاد میں آنے سے قبل آپ کا بیشتر وقت دعوت وتربیت کے میدان میں گزرا ہے، ہم چاہیں گے کہ آپ اپنی زندگی کے اس پہلو پر بھی مختصراً روشنی ڈالیں۔

شیخ خالد الحسینان: اللہ رب العالمین کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنے دین کی جانب دعوت دینے کی توفیق دی اور ہمارے دلوں میں اس کی تڑپ پیدا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾

(حم السجدۃ: 33)

"اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو گی جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔

ہم نے اپنے دعوتی و تربیتی کام میں زیادہ تر توجہ نوجوان نسل پر مرکوز رکھی۔ چونکہ اکثر نوجوان نماز کی ادائیگی کے لیے مساجد میں نہیں آتے تھے، اس لیے ہم خود کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جا کر خطبات دیتے تھے۔ ہم ان کے سامنے 'ترغیب وترہیب' کا اسلوب اختیار کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے۔ نوجوانوں کے دلوں میں گھر کرنے اور ان کے افکار تبدیل کرنے کے لیے ہمارا طریق کار یہ تھا کہ ہم پہلے انھیں اپنے آپ سے مانوس کرتے تھے۔ اس کی خاطر ہم اثنائے خطاب نوجوانوں کے ساتھ ہنسی مزاح اور دل لگی بھی کرتے تھے۔

دراصل بات یہ ہے کہ لوگ جب کسی شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں تو اس کی بات بھی مانتے ہیں اور اس کا اثر بھی قبول کرتے ہیں۔ اسی لیے ہم ان کے ساتھ خوش دلی سے گفتگو کرتے، انھیں ہنساتے اور ان سے مذاق کرتے تھے۔

الحمدللہ اس اسلوبِ دعوت کا نوجوانوں کی تربیت پر بہت اچھا اثر پڑا۔

حطین: ہم جانتے ہیں کہ آپ نے دعوت وتربیت کے موضوع پر کچھ کتابیں اور مختصر کتابچے بھی تالیف کیے ہیں، ان کے بارے میں کچھ بتائیے گا۔

شیخ خالد الحسینان: جی! اللہ کے فضل و کرم سے میں نے عامۃ الناس کی اصلاح کے لیے بعض مختصر دعوتی اور تربیتی کتابچے لکھے ہیں۔ بطورِ مثال کچھ کا ذکر کیے دیتا ہوں:

۱۔ روزمرہ کی ایک ہزار (۱۰۰۰) سے زائد سنتیں (یہ کتابچہ پاکستان میں 'مجلس التحقیق الإسلامی' لاہور نے شائع کیا ہے)

۲۔ روزمرہ کی ایک ہزار (۱۰۰۰) سے زائد دعائیں

۳۔ خواتین کے ایک ہزار (۱۰۰۰) مسائل کے جوابات

۴۔ ہم اللہ والوں کی منزلوں تک کیسے پہنچیں؟

۵۔ نیک و صالح لوگ ایسے ہوا کرتے تھے!

٦۔ آپ اپنی آخرت کے لیے تیاری کیسے کریں؟

حطین: محترم شیخ! آپ میدانِ جہاد کی جانب کب آئے اور کس چیز نے آپ کو یہ راہ اختیار کرنے پر ابھارا؟

شیخ خالد الحسینان: میں نے ۱۴۲۷ھ میں میدانِ جہاد میں قدم رکھا۔ مجھے کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات نے یہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ میں نے جب اللہ کا یہ فرمان پڑھا کہ:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبة: 24)

"(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان، تمہارا کمایا ہوا مال، تمہاری تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں ڈر رہتا ہے، اور تمہارے وہ گھر جنھیں تم عزیز رکھتے ہو، تمہیں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے بڑھ کر محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم (عذاب) آن پہنچے۔ اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کو ضرور دِکھانا ہے کہ اللہ، اس کا رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور یہ محبت صرف باتیں کرنے اور خطبات کہنے، سننے سے نہیں ظاہر ہوتی بلکہ اس محبت کا اظہار تو قربانی و فداکاری اور ہجرت و جہاد سے ہی ہوتا ہے۔ پھر جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پڑھی کہ:

" الْقَتْلَى ثَلاَثَةٌ: رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتَّى إِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى يُقْتَلَ فَذَلِكَ الشَّهِيدُ الْمُفْتَخِرُ، فِي خَيْمَةِ اللّٰهِ، تَحْتَ عَرْشِهِ، وَلاَ يَفْضُلُهُ النَّبِيُّونَ إِلاَّ بِفَضْلِ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ۔۔۔۔"

''مقتول تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے، پھر جب دشمن سے مڈ بھیڑ ہو تو ان سے قتال کرے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ پس یہ قابلِ رشک شہید ہے جو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے خیمے میں ہو گا۔ اور (یہ شخص مقام و مرتبے میں اس قدر بلند ہو گا کہ) انبیاء علیہم السلام کو بھی صرف نبوت کی بنا پر اس پر فضیلت حاصل ہو گی''۔

(المعجم الكبير للطبراني)

یعنی شہادت کی بنا پر اللہ کے یہاں اتنی مہربانی و شفقت اور جنت کے اتنے بلند مقامات ہیں، کہ کوئی شخص بھی اپنے شہر میں بیٹھ کر سالوں عبادت کرنے کے بعد بھی اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ جنت الفردوس کو جانے والا مختصر راستہ یہی ہے کہ ہم جہاد کے لیے اپنی جان اور مال لگائیں، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جائیں۔ بس یہی سوچ کر میں نے جہاد کا راستہ اختیار کیا اور یہاں چلا آیا۔

حطین: شیخ! آپ نے افغانستان، یہاں کے باسیوں اور مجاہدین کو کیسا پایا؟ طالبان مجاہدین کا اپنے عرب و غیر عرب مہاجر بھائیوں کے ساتھ کیسا تعلق دیکھنے کو ملا؟

شیخ خالد الحسینان: الحمد اللہ میں نے افغانستان، اس کے باسیوں اور مجاہدین کو بہت ہی اچھا پایا۔ ان کی کن کن صفات کا تذکرہ کروں؛، خدمت و نصرت، قربانی و ایثار، مہمان نوازی و ملنساری، ہر ایک عمدہ صفت میں نے ان میں پائی۔ یہ لوگ عرب اور غیر عرب مہاجرین کا بہت احترام کرتے ہیں؛ اور جس قدر تعاون اور نصرت ممکن ہوتی ہے، کرتے ہیں____ یہاں تک کہ اپنے گھر تک ان کے لیے کھول دیتے ہیں۔ یقیناً اہل افغانستان نے دورِ اول کے انصار و مجاہدین کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں برکت عطا فرمائیں اور ان کے اعمال کو قبول فرمائیں، آمین!

انہوں نے تو اس وقت ہمارا استقبال کیا جب ہمیں سارے عالم نے تنہا چھوڑ دیا تھا اور پھر ہماری وجہ سے ہر مصیبت کو خوش آمدید کہا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں، آمین!

حطین: افغانستان، پاکستان، عراق، صومالیہ اور دیگر ممالک میں امتِ مسلمہ کے خلاف جو صلیبی صہیونی جنگ جاری ہے، آپ کے خیال میں اس کا انجام بالآخر کیا ہوگا؟

شیخ خالد الحسینان: مجھے اللہ تعالیٰ سے کامل امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خون اور قربانی کو ضائع نہیں فرمائیں گے جو اس جنگ میں دین کی نصرت کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ اور بے شک انجامِ کار تو متقین ہی کے لیے ہے، اور اللہ اپنے اولیاء کا حامی و مددگار ہے۔

مجھے اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اللہ کی مدد عنقریب آنے والی ہے۔ صرف چند دنوں کا ہی انتظار ہے۔ دشمن بوکھلا چکا ہے۔ پس ان آخری لحات میں جس چیز کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ ہے صبر اور دعا۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں موجود موثر ترین ہتھیار دعا ہے، اور خاص طور پر قبولیت کے اوقات میں کی جانے والی دعا ____ جیسا کہ رات کے آخری پہر کی دعا۔

حطین: مسئلۂ فلسطین کے بارے میں ایک مجاہد کے احساسات کیا ہوتے ہیں، آپ کیا فرماتے ہیں؟

شیخ خالد الحسینان: الحمد اللہ مجاہدین تو تمام لوگوں سے بڑھ کر اقصیٰ کے لیے غیرت و حمیت اور فداکاری کے جذبات رکھتے ہیں۔ انھوں نے تو عہد کر رکھا ہے کہ جب تک فلسطین آزاد نہیں ہو جاتا، وہ یونہی جہاد کرتے رہیں گے اور اس کی خاطر اپنا خون اور اپنے اموال پیش کرتے رہیں گے۔

مجاہدین صرف تقریروں، مظاہروں اور ہڑتالوں پر اکتفا نہیں کرتے ____ جیسا کہ آج بہت سے لوگوں کا حال ہے ____ وہ تو مسجدِ اقصیٰ کو پنجۂ یہود سے آزادی دلانے کے لیے اپنا تن من دھن پیش کر رہے ہیں۔

حطین: جہاد اور مجاہدین کو قریب سے دیکھنے کے بعد آپ ان لوگوں سے کیا کہیں گے جو کبھی ان مجاہدین کو دہشت گرد کہتے ہیں اور کبھی ان پر انتہاء پسندی کا الزام دھرتے ہیں؟

شیخ خالد الحسینان: میں ہر اس شخص سے جو مجاہدین کو دہشت گرد اور انتہاء پسند کہتا ہے، یہی کہوں گا کہ:

" ____ اپنی آخرت کے معاملے میں اللہ سے ڈرو!

____ کافر و منافق ذرائع ابلاغ کے جھوٹے دعووں پر کان مت دھرو! بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ﴾ (الزخرف: 19)

"جلد ان کی گواہیاں لکھی جائیں گی اور عنقریب ان سے پوچھا جائے گا"۔

___اور ایسی باتیں کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے مددگار مت بنو"!

حطین: شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت کے حوالے سے آپ کیا کہیں گے؟

شیخ خالد الحسینان: الحمد لله على كل حال! جس چیز کی تمنا شیخ اسامہ رحمہ اللہ برسوں سے اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھے، بالآخر انہوں نے اسے پالیا۔ حقیقی فتح تو یہی ہے کہ مسلمان اپنے دین پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ شہید ہو جائے۔ شیخ اسامہ رحمہ اللہ اپنا یہ مشہور مقولہ اکثر دہرایا کرتے تھے کہ:

"فالسعيد من اتخذه الله شهيدًا"۔

"خوش قسمت تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ شہادت سے سرفراز فرمائیں"۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے خون کے طفیل امت کو بیدار کر دیں!

آپ رحمہ اللہ نے ایک طویل مشقت، راہِ جہاد کی پیہم مسافت اور تنگی و مشکلات کا ایک لمبا دور کاٹنے کے بعد بالآخر راحت پائی ہے۔نحسبه والله حسيبه!

ہم اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھتے ہوئے یہ بات کہتے ہیں اور ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ شیخ رحمہ اللہ کو جنت الفردوس کے مستحق شہداء میں قبول فرمائیں۔ موت ایک لازمی چیز ہے اور ہر انسان نے اس کا مزہ چکھنا ہے۔ اب یا یہ موت قتل کی صورت میں آئے گی یا وہ طبعی موت مرے گا۔ اور ہمیں یہی بات محبوب تھی کہ ہمارے شیخ بستر پر جان دینے کی بجائے مردانگی و شجاعت اور خودداری والی شہادت سے سرفراز ہوں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

ومن لم يمت بالسيف مات بغيره   تعددت الأسباب والموت واحد

(جو شخص تلوار کے وار سے نہیں مرتا تو وہ اس کے بغیر بھی مر جاتا ہے۔ اسباب بے شمار ہیں مگر موت تو ایک ہی ہے)

حطین: عرب دنیا میں آنے والے عوامی انقلابات کو آپ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟

شیخ خالد الحسینان: بلاشبہ یہ عوامی انقلابات امت میں بیداری کی ایک نئی لہر کا پتہ دیتے ہیں۔ کفارِ مغرب نے خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد اس امت کے سامنے خوف کی جو دیوار کھڑی کی

تھی، الحمدللہ وہ اب بوسیدہ ہو کر گرنے کو ہے۔ یقیناً یہ خیر وصلاح کی علامت ہے کہ امت نے مزید ظلم وزیادتی سہنے سے انکار کر دیا ہے۔

ان انقلابات نے مجاہدین کے حصے کا بہت سا کام انجام دے دیا ہے، لیکن ہم اپنی محبوب امت کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ ابھی ان کا سفر مکمل نہیں ہوا، نہ ہی ان کی منزل ابھی آئی ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے سفر کو جاری رکھیں اور حاکمیتِ شریعت کی منزل تک پہنچ کر ہی دم لیں۔ عوام کے لیے نہ تو جمہوریت میں کوئی سعادت وخوشحالی ہے؛ اور نہ ہی ان دیگر نظاموں اور جاہلی قوانین میں کوئی سکون ہے جو اسلام اور اس کی عادلانہ تعلیمات کے بر خلاف ہیں۔ مسلمانوں کی دنیوی واخروی فلاح تو بس ان کے دین ہی سے وابستگی میں پنہاں ہے۔

حطین: قابلِ احترام شیخ! ایک مجاہد کی زندگی میں علم کی کیا اہمیت ہے؟

شیخ خالد الحسینان: بلاشبہ مجاہد کی زندگی میں علم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مجاہدین کی صفوں میں علم کا عام ہونا ہی جہاد کو شریعت کے تابع رکھنے کی ضمانت ہے۔ علم سے نابلد مجاہد تو بعض اوقات اصلاح سے زیادہ بگاڑ کا باعث بن جاتا ہے۔ پس علم مجاہد کے لیے ایسا مضبوط قلعہ ہے جو اسے بے شمار لغزشوں اور گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

الحمد اللہ ہم تنظیم القاعدہ کے تحت شرعی دورہ جات اور تربیتی دروس وغیرہ کا اہتمام کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ یہاں مجاہدین ایمانیات، فقہ، آدابِ شرعیہ اور اس کے علاوہ بھی کئی علوم سیکھتے ہیں، تاکہ وہ ہر پیش آنے والے معاملے میں شرعی احکامات سے واقف ہو جائیں اور اپنے تمام کاموں اور باتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔

حطین: شیخ! میدانِ جہاد میں آپ نے سب سے حیرت انگیز چیز کیا دیکھی؟

شیخ خالد الحسینان: مجھے جہاد کے میدانوں میں بہت سی حیرت انگیز چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ میں نے یہاں ایسے لوگوں کو دیکھا کہ ان جیسے لوگ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایسے لوگ جو موت کو اس لیے سینے سے لگا لیتے ہیں، تاکہ ان کی امت عزت کی زندگی جی سکے۔ میں نے ایسے مجاہدین دیکھے جن کے درمیان سچی اور حقیقی اخوت تھی؛ پاکیزہ ایمانی محبت تھی۔ میں نے انھیں ایک دوسرے کی خدمت کرتے دیکھا اور ان کے سینوں کو باہمی بغض، کینہ اور حسد جیسی بیماریوں سے محفوظ پایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کس طرح طاعت وعبادت کا اہتمام کرتے ہیں، راتوں کو قیام کرتے

ہیں، دن کے وقت روزے رکھتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور حضور ﷺ کی سنتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ فاسق و فاجر ذرائع ابلاغ کے ذریعے میں نے مجاہدین کے بارے میں جو برائیاں سن رکھی تھیں، میں نے ان سب کو جھوٹ کے سوا کچھ نہ پایا۔

حطین: آپ ان بھائیوں کو کیا پیغام دیں گے، جو دعوتِ جہاد کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور امت کو حقائق سے آگاہ کرنے میں مصروف ہیں۔

شیخ خالد الحسینان: جو بھائی دعوتِ جہاد کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، میں ان سے کہوں گا کہ:

اولاً، اس کام پر ثابت قدم رہیں اور استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (الأنفال: 65)

''مومنوں کو قتال پر ابھاریے''۔

ثانیاً، جان رکھیے کہ جو کوئی بھی آپ کی دعوت کی وجہ سے جہاد کے میدانوں کی طرف نکلے گا تو آپ بھی اس کے اجر میں پوری طرح شریک ہوں گے۔

ثالثاً، آپ لوگ اس دور کے 'اجنبی' (غرباء) ہیں، کیونکہ آج طاغوتی خفیہ اداروں کے خوف کے سبب بہت ہی تھوڑے لوگ دعوتِ جہاد کا کام کر رہے ہیں۔ پس آپ کے لیے خوشخبری ہو اور دو گنا اجر بھی!

حطین: آپ علمائے امت، خصوصاً پاکستان اور قبائل کے علماء کو کیا پیغام دینا چاہیں گے۔

شیخ خالد الحسینان: میں علمائے امت سے عرض کرتا ہوں کہ آخر کب تک آپ محاذوں سے دور رہیں گے، جبکہ اللہ کے دشمن شہروں میں فساد پھیلا رہے ہیں اور لوگوں کو فتنوں کا شکار کر رہے ہیں۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد دلاتا ہوں کہ:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴾ (التوبة: 38)

”اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے: اللہ کی راہ میں نکلو! تو تم زمین سے لگ جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی اس (عارضی) زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔ (جبکہ) دنیوی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تو بہت ہی تھوڑا ہے“۔

بے شک آج امرائے جہاد نے امت کے سامنے نفیرِ عام کر رکھی ہے اور یہی لوگ نفیرِ عام کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

اسی طرح میں آپ کو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یہ حدیث بھی یاد دلاتا ہوں کہ:

” مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ “۔

”جو کوئی اس حال میں مرا کہ نہ اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ ہی کبھی دل میں اس کا ارادہ کیا، تو وہ یقیناً نفاق کی ایک حالت میں مرا“۔

(الصحیح لمسلم)

کیا آپ لوگوں کے لیے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں نمونہ نہیں ہے جنھوں نے اللہ کی راہ میں پیہم جہاد کیا اور فقط تحصیلِ علم اور احادیث و مسائل جمع کرنے میں مصروف نہ رہے؟ وہ عالم کیا ہی خوب ہوتا ہے جو مجاہد بھی ہو، کیونکہ وہ تو علم و تعلم اور دعوت و عمل سب کو اپنی ذات میں جمع کر لیتا ہے۔

پس جان رکھیے کہ علم اور جہاد میں کوئی تعارض نہیں اور شریعت میں اعتبار کثرتِ علم کا نہیں بلکہ اِس علم پر عمل کرنے کا ہے۔

حطین: محترم شیخ! ہم ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جہاں گناہوں کا ارتکاب کرنا تو آسان ہو گیا ہے لیکن دین کے اوامر بجالانا مشکل ہے۔ ایسے میں آپ ہر مسلمان نوجوان کو ____ چاہے وہ مجاہد ہو یا نہ ہو ____ کیا نصیحت کریں گے کہ وہ کیسے اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور کس طرح اپنے آپ کو برائیوں سے بچا کر اوامرِ دین پر عمل پیرا ہو؟

شیخ خالد الحسینان: چند اسباب ایسے ہیں، جنہیں اختیار کرنا ایک مسلمان کو اس کے ایمان کی حفاظت میں مدد دیتا ہے۔ انھیں میں اختصار کے ساتھ ذیل میں ذکر کیے دیتا ہوں:

۱۔ کثرت سے یہ دعا مانگنا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ اسلام پر ثابت قدم رکھیں۔

۲۔ نیک صحبت اور ایمانی ماحول کو تلاش کرنا، جو اللہ کی اطاعت میں مدد دے اور گناہوں سے دور رکھے۔ بیشک انسانی زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے صالحین کی صحبت کا کردار غیر معمولی ہے۔

۳۔ ایسی جگہوں سے دور رہنا جو فتنوں کے فروغ اور شہوات کی تشہیر کا مرکز ہوں، مثلاً ٹی وی چینلوں کو دیکھنے اور مخلوط مجلسوں میں جانے سے پرہیز کرنا۔

۴۔ عبادات اور روز مرّہ کے مسنون اذکار کو اپنا معمول بنانا جو دل کو جِلا بخشیں۔ اسی طرح تلاوتِ قرآن، کثرتِ ذکر اور علماء کے مواعظ و بیانات کو سننے کا اہتمام کرنا۔

حطین: آخر میں ہم آپ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت ہمیں نوازا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہماری اس گفتگو کو ہمارے لیے اور پوری امت کے لیے نافع بنائیں، اور اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، آمین!

جہاد کی فضیلت کے بقدر، احکاماتِ جہاد کا علم بھی حاصل کیجیے

مجاہد عالمِ دین شیخ ابوالولید الفلسطینی حفظہ اللہ/ترجمہ: قاری عبدالہادی

یہ اقتباس مصنف کی تحریر" فقه الجهاد على قدر فضله " سے لیا گیا ہے۔(مدیر)

اسلام میں جہاد کی فضیلت غیر متنازعہ ہے

شریعت نے جہاد فی سبیل اللہ کو جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اس سے کوئی صاحب علم انکار نہیں کر سکتا۔ نہ ہی فضیلتِ جہاد کو بیان کرنے والی قرآنی آیات اور نبوی احادیث سے صرفِ نظر ممکن ہے۔ جہاد کی فضیلت سمجھنے کے لیے تو بس یہ جان لینا ہی کافی ہے کہ قرآنِ کریم کی تقریباً ایک چوتھائی آیات جہاد ہی سے متعلق ہیں۔ بلکہ ہم نے تو طالبِ علمی کے زمانے میں اپنے اساتذہ و مشائخ سے یہاں تک سنا تھا کہ قرآنِ کریم کے چار بنیادی موضوعات ہیں اور چاروں ہی کا جہاد سے براہِ راست تعلق ہے:

- پہلا موضوع ہے توحید کا اثبات؛ اور جہاد کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا ہے تا کہ توحید قائم ہو۔
- دوسرا موضوع ہے نبوت کا اثبات جن میں سے سب سے آخری نبوت خاتم الانبیاء ﷺ کو عطا کی گئی؛ اور یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ آپ ﷺ کو تو مبعوث ہی تلوار کے ساتھ کیا گیا اور جہاد کو آپ کی شریعت کا مستقل جزو بنا دیا گیا۔

- تیسرا موضوع ہے حلال و حرام کے احکامات کا بیان؛ اور انہی احکامات کے قیام و نفاذ کے لیے جہاد کو واجب کیا گیا ہے، جیسا کہ کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔
- چوتھا موضوع ہے آداب و معاملات کا بیان؛ اور ان پر عمل کرنے سے مسلمانوں کا معاشرہ داخلی طور پر منظم و مرتب ہوتا ہے تاکہ اہلِ اسلام یکسوئی سے خارجی دشمنوں کے خلاف قتال کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں کا اپنا معاشرہ فساد کا شکار ہو گا اور ان میں داخلی انتشار برپا ہو گا تو وہ دشمنانِ اسلام کے خلاف کیسے لڑ سکیں گے۔

یہ اس نکتے کا خلاصہ ہے جو میں نے اپنے بزرگ استاد شیخ اکرام الدین بدخشانی حفظہ اللہ سے اپنے طالبِ علمی کے زمانے میں سنا تھا۔ آپ دس جلدوں پر محیط، عربی زبان میں لکھی گئی ایک تفسیر کے مصنف ہیں۔ اب تو آپ کی عمر سو سال سے بھی تجاوز کر چکی ہے، اللہ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کے علم کو امت کے لیے نفع کا باعث بنائے۔ جہاد کی فضیلت کے حوالے سے میں نے یہ بات آپ کے علاوہ بھی متعدد اہلِ علم سے سنی ہے اور اسی سے مشابہ بات امام غزالیؒ نے جواہر القرآن میں، امام رازی نے اپنی تفسیر میں اور امام سیوطیؒ نے الاتقان اور اسرارِ ترتیب القرآن وغیرہ میں ذکر کی ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ تفاسیر اور علومِ قرآن کی کتب میں سے شاید ہی کوئی کتاب اس نکتے سے خالی ہو۔

احکاماتِ جہاد سے لاعلمی، جہاد کی قبولیت ہی خطرے میں ڈال دیتی ہے

جہاد کی فضیلت ذہن میں رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک اور نکتہ سمجھنا بھی اہم ہے جسے امام نووی، امام ابن تیمیہ اور امام سیوطی رحمہم اللہ سمیت کئی اہلِ علم نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ ان حضرات نے لکھا ہے کہ جہاد ایک ایسی عبادت ہے جو فرضِ عین ہو یا فرضِ کفایہ، بہر دو صورت اس کا نفع محض مجاہدین تک محدود نہیں رہتا بلکہ دیگر انسانوں کو بھی اس سے نفع پہنچتا ہے۔ لیکن اگر یہی عبادت شریعت کے مقرر کردہ طریقے سے ہٹ کر ادا کی جائے تو اس کا ضرر بھی محض مجاہدین تک محدود نہیں رہتا بلکہ دیگر لوگ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہ بات باعثِ تشویش ہے کہ

ایسے کئی خوش قسمت لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم فرماتے ہوئے انہیں فریضۂ جہاد کی ادائیگی کی توفیق دی، وہ جہاد کے بارے میں اس کے فضائل کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ میدانِ جہاد میں ایسے کئی مجاہد بھائی مل جاتے ہیں جو جہاد کی فضیلت سے متعلق آیات و احادیث تو بخوبی جانتے ہیں لیکن جہاد ہی سے متعلق معروف، بنیادی فقہی احکامات تک کا علم نہیں رکھتے۔ بعض اوقات تو محاذ پر سالوں گزارنے کے بعد بھی ایک بھائی اسی پست علمی سطح پر کھڑا رہتا ہے جس کے ساتھ وہ میدان میں پہلی بار آیا تھا، وانا للہ و انا الیہ راجعون! ایسے مجاہد کی مثال بعینہ اس شخص کی سی ہے جو یہ بات تو بخوبی جانتا ہے کہ نماز ارکانِ اسلام میں سے ایک بنیادی رکن اور کفر و اسلام کے درمیان حدِ فاصل ہے؛ اور وہ نماز کی فضیلت اور اس کے ثواب کا بھی علم رکھتا ہے، لیکن اسے شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا نہیں آتی اور نہ ہی اس نے کبھی نماز سے متعلق فقہی احکامات سیکھنے کی کوئی کوشش کی ہے۔ پس جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک بے ڈھب نماز پڑھنے والے سے کہا تھا کہ ''إرجع فصلّ فإنک لم تصلّ''، (لوٹو اور اپنی نماز دہراؤ کیونکہ بلاشبہ تمہاری نماز نہیں ہوئی) تو اسی طرح بے ڈھب انداز سے جہاد کرنے والے شخص سے بھی یہی کہا جائے گا کہ لوٹو اور اپنا جہاد دہراؤ کیونکہ تمہارا جہاد نہیں ہوا!...... یہاں تک کہ وہ احکاماتِ جہاد سیکھ لے اور اپنے جہاد کو شریعت کا پابند بنالے۔

علمائے کرام کی ذمہ داری تو دوچند ہے

میری ان باتوں سے یہ مفہوم اخذ کرنا درست نہیں ہو گا کہ میں ان لوگوں کے مؤقف کی تائید کر رہا ہوں جو یہ کہہ کر فرضِ عین جہاد سے دور بیٹھے ہوئے ہیں کہ وہ حصولِ علم میں مصروف ہیں یا اپنی دینی تربیت بہتر بنارہے ہیں۔ ایسے لوگوں پر، بالخصوص علمائے کرام پر تو سب سے بڑھ کر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مجاہدین کی صفوں میں موجود علمی کمزوریاں دور کرنے کے لیے محاذوں کا رخ کریں۔ علم عمل کے لیے حاصل کیا جاتا ہے اور اس وقت کا اصل میدانِ عمل، میدانِ جہاد ہی ہے۔ لہٰذا میرا مقصود جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی تائید کرنا نہیں بلکہ اس نکتے کی طرف توجہ

مبذول کرانا ہے کہ جس مسلمان پر بھی جہاد فرض ہو چکا ہو، اس پر احکامِ جہاد سیکھنا بھی فرض ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ مجاہدین کے لیے کون سے احکامات سیکھنا واجب ہے؟ اور وہ احکامات سیکھنے کی عملی صورت کیا ہو گی؟ تو میں کہوں گا کہ حصولِ علم کے معاملے میں ہم مجاہدین کو دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

عام مجاہد کے لیے کتنا علم ضروری ہے؟

پہلا گروہ عام مجاہدین کا ہے؛ ان کے لیے جہاد کے عمومی اور اصولی احکامات سیکھ لینا، جہاد کے مقاصد سمجھ لینا اور جہاد کے ضروری آداب جان لینا ان شاء اللہ کافی ہو گا۔ مثلاً مختلف نیتوں کا حکم، اطاعتِ امیر کی حدود و قیود، وعدے کو وفا کرنے اور امان کا احترام کرنے کا وجوب، معرکے کے وقت ثابت قدم رہنے کی فرضیت اور فساد پھیلانے کی حرمت وغیرہ۔ اسی طرح ایک عام مجاہد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے لیے دورانِ جنگ کیا کام کرنا جائز ہیں اور کیا ناجائز؛ مثلاً اسے عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت معلوم ہونی چاہیے اور یہ اصول بھی معلوم ہونا چاہیے کہ "الأصل في الدماء العصمة" یعنی یہ کہ ہر ذی روح سے معاملہ کرتے ہوئے بالاصل یہی فرض کیا جاتا ہے کہ وہ معصوم ہے اور اس کا خون بہانا ناجائز ہے۔ پھر اس کے بعد محض انہی لوگوں پر ہاتھ اٹھایا جاتا ہے جن کے خون کا مباح ہونا کتاب اللہ یا کسی صحیح ثابت سنت سے واضح ہو۔ کسی ٹھوس دلیل اور واضح حجت کے بغیر کلمہ گو اہلِ ایمان کا خون بہانا اللہ ربّ العزت کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔

فتوے کے لیے کس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے؟

نیز یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہر وہ شخص جس نے چند آیات اور احادیث حفظ کر لی ہوں، اس بات کا اہل نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ فتوے دینے اور شرعی مسائل بیان کرنے لگے۔ اس مقام پر تو اسی شخص کو فائز کیا جانا چاہیے جو آیات و احادیث سے شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استدلال کر سکے اور حقیقی علماء کی طرح فروعی مسائل کو حل کرتے ہوئے اصولی امور

مدِ نظر رکھے، مسئلے کے تمام پہلوؤں کا پوری دقّت اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے پوری امانت کے ساتھ شرعی مسائل میں زبان کھولے۔ پس فتویٰ ایسے راسخ اہلِ علم ہی کی طرف لوٹایا جانا چاہیے اور ایسے ثقہ علماء ہی سے شرعی مسائل پوچھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا حال یہ ہو کہ اس سے ایک مسئلہ دریافت کیا جائے تو وہ آگے بڑھ کر دس کا جواب دے، تو اہلِ علم اور صاحبِ قدرت لوگوں کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ دین کی حفاظت اور شریعت کی نگہبانی کی خاطر ایسے لوگوں پر کڑی پابندیاں عائد کریں اور انہیں ان کی حقیقی حدود سے تجاوز نہ کرنے دیں۔ یہ میری ذاتی رائے نہیں بلکہ ائمہ ٔ سلف رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے جو ان کی کتب میں بصراحت موجود ہے۔ خوب جان لیجئے کہ فتوے کے مقام پر فائز ہونا کوئی سہل امر نہیں بلکہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے خود کو طلبِ علم میں کھپانا اور گھلانا پڑتا ہے اور مستقل مشق کر کے اپنی صلاحیت اور تجربہ بڑھانا پڑتا ہے۔ تبھی تو سلفِ صالحین میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ: "حضانة العلم عشرون"، یعنی "علم بیس سال تک تو گہوارے ہی میں رہتا ہے"۔ گویا طالبِ علم کا علمی بچپن ختم ہونے میں بھی بیس سال لگ جاتے ہیں؛ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہتے ہیں، جتنا چاہتے ہیں، مزید علم عطا کرتے ہیں۔

امتِ مسلمہ سے معاملہ کرتے ہوئے عوام کا عذر ملحوظ رکھنا چاہیے

ہم آج ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جب جہل عام اور علم نادر ہو چکا ہے؛ اور باعمل علماء اور مخلص داعیانِ دین تو اور بھی نادر ہیں۔ ہر سمت کفار کا غلبہ اور ظلم کا دور دورہ ہے، جس کے سبب اہلِ علم کے لیے کھل کر حق بات کہنا بھی نہایت دشوار ہو چکا ہے۔ چنانچہ عوام المسلمین کے لیے کئی اہم امور میں درست احکامات تک رسائی مشکل ہو گئی ہے اور اسی لیے عوام ایک درجے میں معذور بھی سمجھے جائیں گے، جیسا کہ ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ نے اپنی کتب میں بصراحت لکھا ہے۔ پس علماء اور امراء دونوں پر واجب ہے کہ وہ سیاستِ شرعیّہ سے متعلق امور میں اور بالخصوص اس مظلوم و مقہور امت سے معاملہ کرتے ہوئے امت کے عوام کا یہ عذر اور جبر و استبداد کے یہ حالات مد نظر رکھیں۔

خونِ مسلم اور تکفیر کے معاملات میں احتیاط واجب ہے!

اپنے اصل موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میں کہوں گا کہ اگر کسی شخص کی جان لینے کے معاملے میں ہمیں اشکال درپیش ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ اس کا خون بہانا جائز ہے، تو ایسے میں احتیاط کی روش اختیار کرنا واجب ہو گا۔ ائمہ ءکرام رحمہ اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی صورت میں اقدام کرنے کی بجائے ہاتھ کھینچ لینا لازم ہے۔ یہاں ہم اسی بات کی تائید میں اہلِ علم کے بعض اقوال نقل کیے دیتے ہیں۔ امام غزالیؒ اپنی کتاب " التفرقة بين الإسلام والزندقة " میں لکھتے ہیں:

"ينبغي الاحترازُ عن التكفيرِ ما وجد إليه سَبِيلاً، فإنَّ استباحَةَ دِماءِ الْمُصلِّينَ الْمُقِرِّينَ بالتوْحِيدِ خطأ، والخطأ في تركِ أَلْفِ كافِرٍ في الحياة أهونُ من الخطأ في سَفْكِ دَمٍ لِمُسْلِمٍ واحدٍ"!

"مطلوب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تکفیر سے گریز کیا جائے، کیونکہ توحید کا اقرار کرنے اور قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرنے والوں کے خون کو (کسی بالکل واضح شرعی دلیل کے بغیر) مباح قرار دینا غلط ہے۔ اور ایک ہزار کافروں کو غلطی سے زندہ چھوڑ دینے کی نسبت کسی ایک مسلمان کا خون غلطی سے بہا دینا زیادہ بھاری بات ہے"!

اسی طرح امام قرطبی مسلم شریف کی شرح "المفهم" میں لکھتے ہیں:

"وبابُ التكْفِيرِ خَطَرٌ ولا نَعْدِلُ بالسلامَةِ شيئاً ".

"تکفیر کا باب خطرات سے پُر ہے؛ اور ہمارے نزدیک خود کو خطرات سے بچائے رکھنے سے اہم کوئی شے نہیں"۔

ایک مرتبہ فقیہ عبد الحق رحمہ اللہ نے امام ابو المعالی الجوینی سے خوارج کی تکفیر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ:

"إدخالَ كافرٍ في الملةِ وإخْرَاجَ مُسْلِمٍ عنها عظِيمٌ فِي الدين".

"کسی کافر کو امت میں شامل کرنا اور کسی مسلمان کو امت سے نکال دینا دونوں ہی اللہ کے نزدیک بہت بھاری باتیں ہیں (اس لیے میں اتنے خطرناک معاملے میں بولنے سے گریز کروں گا)"۔

یہی سوال قاضی ابو بکر باقلانی سے پوچھا گیا تو آپ نے توقف اختیار کرتے ہوئے کہا:

"لَمْ يُصَرِّحِ القومُ بالكُفر، وإنّما قالُوا أَقْوالاً تُؤَدِّي إلى الكُفر".

"ان لوگوں نے صریح کفر کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایسے اقوال کہے ہیں جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں"۔

علامہ ابنِ عابدین حنفی رحمہ اللہ "عقود رسم المفتي" میں لکھتے ہیں کہ:

وكُلُّ قَوْلٍ جاءَ يَنْفِي الكُفْرا عنْ مُسْلِمٍ ولَوْ ضِعِيفاً أَحْرَى

"ایک مسلمان کا ہر وہ قول جو اس کی تکفیر میں مانع ہو، اسے قبول کر لینا چاہیے خواہ وہ کوئی کمزور بات ہی کیوں نہ ہو"۔

پس مسلم معاشرے اور بالخصوص مجاہدین کے درمیان اس فہم کو پھیلانا ان شاءاللہ جہاد کی حفاظت کا ذریعہ بنے گا اور اسے ہوائے نفس کے گڑھوں اور شبہات کی دلدلوں میں پھنسنے اور انجامِ بد کا شکار ہونے سے بچائے گا۔ انسانی جان لینے کے معاملے میں جرأت کا مظاہرہ کرنا جہل کی دلیل ہے اور جاہل اس بات کا زیادہ محتاج ہوتا ہے کہ اس کی نفسانی رغبات کو لگام دینے کے لیے اسے شرعی قیود و ضوابط کا سختی سے پابند بنایا جائے، بجائے اس کے کہ اسے کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ ہوائے نفس کی پیروی کرتا پھرے اور شیطان کو بھی اس پر مسلط ہونے کا خوب موقع ملے۔

مقصود کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے، نہ کہ محض قتل وغارت

سورۂ نساء میں وارد ہونے والے فرمانِ الٰہی ﴿فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ﴾ کے ذیل میں علماء نے ایک نکتہ بیان کیا ہے جسے یہاں ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وإنّما قال: فَيُقْتَلْ أَو يَغْلِبْ، تنبيهاً على أن المجاهدَ يَنْبَغِي أن يَثْبُتَ في المعرَكَةِ حَتّى يُعِزَّ نفسَهُ بالشهادةِ؛ أو الدينَ بالظَّفَرِ والغَلَبَةِ، وأنْ لا يكونَ قَصْدُهُ بالذاتِ إلى القَتْلِ، بَلْ إلى إِعْلاءِ الحقِّ وإِعْزازِ الدين".

"اس آیتِ مبارکہ میں یہ کہنے کی بجائے کہ ((وہ قتل کر دیا جائے یا دشمن کو قتل کر دے))، یہ کہا گیا ہے کہ ((وہ قتل کر دیا جائے یا دشمن پر غالب آ جائے))، جس سے یہ

بات سمجھانا مقصود ہے کہ مجاہد کو چاہیے کہ وہ معرکے میں ثابت قدم رہے یہاں تک کہ یا تو اسے شہادت کا اعزاز مل جائے یا وہ دین کو فتح اور غلبہ دِلا دے۔ پس ایک مجاہد کی اصل نیت قتل و غارت کرنا نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اسے کلمہ ء حق کی سربلندی اور دین کی سرفرازی پر نگاہ رکھنی چاہیے"۔

مجاہدین پر لازم ہے کہ وہ راسخ علماء کی رہنمائی میں چلیں

الغرض، ایک عام مجاہد کے حوالے سے ہماری نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ شرعی مسائل میں احتیاط کی روش اختیار کرے۔ اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کی جان و مال کی حرمت و حلت کے معاملات اور تکفیر کے مسائل کو طالبِ علموں کی بجائے راسخ علمائے کرام کے سپرد کر دے، جو ان مسائل میں خوب غور و فکر کے بعد ٹھوس علم کی بنیاد پر رائے دیں۔ ہر مجاہد کا فرض بنتا ہے کہ وہ فتویٰ دینے کے اہل علمائے کرام سے پوچھے بغیر ان مسائل میں کوئی قدم نہ اٹھائے۔

علمی ذوق کے حامل مجاہدین کے لیے کتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے؟

دوسرا گروہ ان مجاہدین کا ہے جو علم حاصل کرنے کی رغبت بھی رکھتے ہیں اور ان کے لیے ممکن بھی ہے کہ وہ اپنی کوششیں اس میدان میں کھپائیں اور اپنے وقت کا بڑا حصہ علم حاصل کرنے میں گزاریں۔ ایسے مجاہد بھائیوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی باقی مصروفیات منقطع کر کے حصولِ علم ہی کو سب سے زیادہ وقت دیں۔ لیکن یہ علم میدانِ جہاد میں رہتے ہوئے ہی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے؛ اس صورت میں جہاد کی فرضیت بھی ادا ہو جائے گی، علم اور جہاد جیسی دو افضل عبادات جمع کرنے کا شرف بھی مل جائے گا اور میدانِ جہاد میں پیش آنے والے عملی مسائل کا مشاہدہ بھی قریب سے کرنے کا موقع ملے گا۔ ایسے مجاہد ساتھیوں کی بنیادی ترجیح یہی ہونی چاہیے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق احکامات سیکھیں، جہاد کے مسائل حفظ کریں اور اس کے فروعی اور نازک امور پر بھی گرفت حاصل کر لیں۔ پھر اگر میدانِ جہاد ہی میں کسی عالم یا اپنے سے زیادہ علم

والے طالبِ علم کی صحبت میسر آجائے جسے پابندی کے ساتھ کسی کتاب کا متن سنایا جاسکے، اس متن کی شرح سمجھی جاسکے اور اس کی سرپرستی میں اس متن کو حفظ کیا جاسکے، تو اس سے بڑھ کر نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو حصولِ علم کا وہ اصل طریقہ ہے جو سلف کا ورثہ ہے اور اس امت میں نسل در نسل رائج رہا ہے۔ نیز یہ کوشش ہونی چاہیے کہ احکاماتِ جہاد سے متعلق جو کتاب بھی اس کے ہاتھ لگے، وہ اس کا مطالعہ کر ڈالے۔ احکاماتِ جہاد کے ساتھ ساتھ اس کو باغیوں اور مرتدین کے احکامات کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس مطالعے کا آغاز شروحاتِ حدیث میں سے متعلقہ ابواب پڑھنے سے ہونا چاہیے اور اس کے بعد اسی موضوع پر ائمہ اربعہ کی کتبِ فقہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد علامہ ابنِ حزم کی کتب اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ اور امام ابنِ قیم رحمہم اللہ کی کتب میں سے متعلقہ ابواب پڑھنے چاہییں۔ پھر متأخرین میں سے امام شوکانی، قنوجی اور البانی رحمہم اللہ وغیرہ کی کتابیں بھی دیکھ لینی چاہییں۔ پھر مختلف پیچیدہ اور متنوع عملی مسائل کا جواب جاننے کے لیے مالکیہ اور احناف کے فتاویٰ کو ترجیحاً پڑھنا چاہیے، کیونکہ مالکی و حنفی علماء کی کتب میں ان موضوعات پر جو وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے وہ کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ اور اللہ ہی کی ذات ہے جو ہر خیر کی توفیق دیتی ہے اور اس کے سوا ہمارا کوئی رب نہیں!

امرائے جہاد سے بڑھ کر علم کا محتاج کوئی نہیں!

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ علم اور اہلِ علم کی صحبت کے سب سے زیادہ محتاج مجاہدین کے امراء ہیں۔ امرائے جہاد کے لیے اپنی علمی سطح بڑھانے پر مستقل توجہ دیتے رہنا لازم ہے۔ سیاستِ شرعیہ کا فہم حاصل کرنے اور رعیت سے متعلق معاملات منظم کرنے میں امراء کے لیے جو چیز سب سے زیادہ معاون ثابت ہو گی وہ سیرتِ نبوی ﷺ، سیرتِ صحابہ، فتوحاتِ اسلام، عمومی کتبِ تاریخ اور مشاہیر امت کی زندگیوں کا مطالعہ ہے۔ یہ سلف کے کئی عادل بادشاہوں اور امرائے اسلام کا طرز رہا ہے، اللہ ان سب پر رحمت فرمائے۔ پس امرائے جہاد کو چاہیے کہ وہ حصولِ علم کا اہتمام کریں اور اگر مصروفیت وغیرہ کے سبب خود مطالعہ نہیں کر سکتے تو

کسی ساتھی کے ذمے لگائیں کہ وہ روزانہ ان کتب میں سے کچھ نہ کچھ حصہ پڑھ کر انہیں سنا دیا کرے۔ ان شاءاللہ یہ طریقہ بھی ان کے لیے بہت نافع ثابت ہو گا۔

حصولِ علم میں مانع شیطانی وساوس کا مختصر جواب

بات سمیٹتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ عزائم بلند ہوں تو مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس شیطانی وسوسے کو خاطر میں نہ لایا جائے کہ میدانِ جہاد کے مخصوص حالات میں علم حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اللہ پر توکل کرتے ہوئے علم حاصل کرنے کا آغاز کیجئے۔ میرے علم میں نہیں کہ حصولِ علم کے لیے جو شرحِ صدر میدانِ جہاد میں حاصل ہوتا ہے وہ کہیں اور بھی حاصل ہوتا ہو۔ میں نے بیت اللہ، اللہ اس کے شرف وعظمت میں مزید اضافہ فرمائے، کے عین سامنے بیٹھ کر علم حاصل کرنے کا تجربہ بھی کیا ہے، جب کہ میرے اور کعبہ شریف کے درمیان محض چند گز کا فاصلہ تھا اور میں نے محاذوں پر دشمن کے بالکل قریب پہنچ کر بھی یہی تجربہ کیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں نے حصولِ علم کے لیے جو شرحِ صدر محاذوں پر پایا وہ کہیں اور نہیں پایا۔ اور جس کو میری یہ بات سمجھ نہ آئے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کر لے:

﴿ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾ (التوبة: ١٩)

”کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا“۔

نیز یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہو گا کہ موجودہ زمانے میں حصولِ علم کے عمل کو آسان بنانے کے لیے جو اسباب وذرائع میسر ہیں وہ پہلے کبھی نہیں موجود تھے۔ کئی نئی ایجادات نے بہت سے ایسے

کاموں کو آسان کر دیا ہے جو کل تک نہایت دشوار تھے۔ آج مشرق میں کہی جانے والی ایک بات یا لکھا جانے والا ایک لفظ چند لمحوں میں مغرب تک پہنچ جاتا ہے، حالانکہ گزشتہ زمانوں میں ایک ایک بات جاننے کے لیے طلبائے علم مہینوں اور بعض اوقات سالوں کے سفر کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حصولِ علم کو آسان بنانے میں آڈیو کیسٹوں کا کردار اور تفاسیر، احادیث اور کتبِ فقہ میں سے مطلوبہ عبارتیں ڈھونڈ نکالنے کے لیے کمپیوٹر کا کردار بھی آج کسی سے مخفی نہیں۔ پھر خود مطبوعہ کتب بھی آج جس وافر مقدار میں موجود ہیں، جس اعلیٰ معیار پر چھپتی ہیں اور علمائے کرام نے ان کتب کے اندر تفصیلی فہرستوں اور حاشیہ جات اور حوالوں کا جو اہتمام کیا ہے، وہ سب بھی کتب سے استفادہ بہت آسان بنا دیتا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی ہمارے پاس حصولِ علم میں کوتاہی کا کوئی جواز باقی رہتا ہے؟ والتوفیق بید الله!

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمین!

هي أسرع فيهم من نضح النبل

مسلم کی بیداری

خواجہ عزیز الحسن رحمہ اللہ

معرکہ آرا جہاں سارے کا سارا آج ہے — محوِ غفلت کون کم بختی کا مارا آج ہے
دہر میں کس قوم کو پستی گوارا آج ہے — کوئی تو ہے چاند اور کوئی ستارا آج ہے

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

یہ جو قوموں کی ترقی ہے یہ مکروزور ہے — جو ہے جتنے اوج پر اتنا وہ حق سے دور ہے
تیرگیِ ماہ وانجم کی چمک محصور ہے — جس کو گھیرے ہوا اندھیرا وہ بھی کوئی نور ہے

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

جس کو دیکھو لڑ رہا ہے یادِ من کے واسطے — کر رہا ہے جان کو قربان تن کے واسطے
سب تو ہیں شمشیر زن قوم ووطن کے واسطے — تو اٹھا تلوار ربِ ذوالمنن کے واسطے

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

مال وزر، جاہ و چشم، قوم و وطن، رنگ و نسب آئے دن دنیا میں جھگڑے ہیں انہی کے تو سبب

پست ذہنیت سے ناشی ہیں یہ نصب العین سب اوجِ اسلامی پہ لا معیارِ انسانی کو اب

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

پھیلنا ہے چار سو اک دن ضرور اسلام کو سچ سمجھ پیغمبرِ برحق کے اس پیغام کو

تو کرے پورے یقیں کے ساتھ گر اس کام کو مہدی و عیسیٰ بھی پہنچیں نصرت و اتمام کو

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

وعدۂ غلبہ ہے مومن کے لیے قرآن میں پھر جو تو غالب نہیں کچھ ہے کسر ایمان میں

ہو جو ایماں کا اثر اعضاء میں، دل میں، جان میں حسبِ قرآں سب سے اعلیٰ تو ہی پھر ہو شان میں

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

تیری بہبودی کی اِک شمشیر ہی تدبیر ہے دولتِ دارین دلوائے یہ وہ اکسیر ہے

خود حضورِ مخبرِ صادق کی یہ تبشیر ہے جنت الفردوس زیرِ سایۂ شمشیر ہے

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

دشمنانِ دیں ہیں گو اکثر اور اہلِ دین اقل 'یغلبوا ألفین' کے ہوتے جھجک ہے بے محل

ہو اگر کچھ بھی 'اعدوا ما استطعتم' پر عمل پھر تو کافی ہو تجھے تیرا خدائے عز و جل

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

یہ نظامِ دھر اب تبدیل ہونا چاہیئے اُس کی اب توحید پر تشکیل ہونا چاہیے
یہ ہے ناقص اسکی اب تکمیل ہونا چاہیئے 'جاهدوا في الله' کی تعمیل ہونا چاہیے
مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

ایک قانونِ خداوندِ دو عالم کے سوا اور سب قانون ہیں مبنی بر اغراض و جفا
سب کو تو پابندِ قانونِ خداوندی بنا بندگانِ حق کو بندوں کی غلامی سے چھڑا
مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

تیرے ہوتے بھی جہاں میں غلبہ ء کفار ہو سر نگوں پیشِ بُتاں حق کا علمبر دار ہو
تابکے غفلت بس اب بیدار ہو بیدار ہو لب پہ ہو اللہ اکبر، ہاتھ میں تلوار ہو
مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

امریکہ و نیٹو کی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینرز وں سے متعلق ایک اہم فتویٰ

جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

امریکیوں کے لیے جن کنٹینرز وں میں سامان لے جایا جاتا ہے ان میں مختلف اقسام کا سامان ہوتا ہے، اگر ان کنٹینرز وں کو مجاہدین قبضہ میں لے لیں:

- تو اس سامان کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کو جلایا جائے یا غنیمت بنایا جائے؟
- اس کنٹینر کے ڈرائیور کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کو قتل کیا جائے یا قید کیا جائے یا تاوان لے کر چھوڑا جائے یا مار پیٹ کر چھوڑ دیا جائے؟
- اس کنٹینر کا کیا حکم ہے جب اس کا ڈرائیور خود ہی اس کا مالک ہو تو کیا اس کنٹینر کو جلایا جائے یا غنیمت میں لیا جائے؟

برائے مہربانی نصوص قطعیہ کی روشنی میں مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

مستفتی: عبداللہ

الجواب حامدًا ومصلّيًا،

۱۔ واضح رہے کہ جہاد فی سبیل اللہ (یعنی لڑائی) کے دوران غلبہ و قوت کے بل بوتے پر کفار کا جو مال و متاع مجاہدین کے ہاتھ آئے اسے شرعًا "مالِ غنیمت" کہا جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"الغنيمة إسم لمال مأخوذ من الكفرة بالقهر والغلبة والحرب قائمة قبل الإحراز بدار الإسلام"۔

"غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو لڑائی کے دوران (اور) دارالاسلام میں داخل ہونے سے پہلے بزورِ قوت کفار سے حاصل کیا جائے"۔

[الهندية: ۲۰۲/۲، الباب الرابع في الغنائم، الفصل الأوّل، ط: رشيدية]

فتاویٰ شامی میں ہے:

"في المُغرب: الغنيمة ما نيل من الكفار عنوة والحرب قائمة فتخمس، وباقيها للغانمين"۔

"کتاب المُغرب في ترتيب المعرب میں لکھا ہے: 'غنیمت' اس مال کو کہتے ہیں جو دورانِ لڑائی کفار سے بزورِ قوت حاصل کیا جائے اور پھر اس میں سے خمس نکالا جائے، اور باقی (چار) حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں"۔

[شامي: ۱۳۷/۴، باب المغنم وقسمة، ط: سعيد]

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں امریکیوں کی امداد کے لیے کنٹینروں میں جو سامان بھیجا جاتا ہے، اگر مجاہدین کسی طرح غلبہ پا کر اس پر قبضہ کر لیں تو یہ شرعًا جائز ہے اور یہ مال اور سامان جس قسم کا بھی ہو مجاہدین کے حق میں مالِ غنیمت ہو گا۔

ہجرت کے بعد کے ابتدائی دور میں جو غزوات اور سرایا پیش آئے وہ اکثر اسی طرح کے تھے کہ حضور ﷺ کو جب یہ اطلاع ملتی تھی کہ قریش کا کوئی تجارتی قافلہ شام وغیرہ سے مدینہ منورہ کے راستے مکہ مکرمہ جا رہا ہے تو آپ ﷺ فورًا صحابہ کی ایک جماعت کو اس کے تعاقب میں روانہ فرماتے۔ اس طرح کے متعدد غزوات اور سرایا ہجرت کے فورًا بعد پیش آئے، جیسا کہ سریہء حمزہ رضی اللہ عنہ، سریہء سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، غزوۂ عشیرہ اور غزوۂ بواط وغیرہ۔ اور سب

سے بڑھ کر اسلام کا سب سے بڑا غزوہ "غزوۂ بدر کبریٰ" کا سبب بھی یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کو شروع رمضان ۲ھ کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان، قریش کے قافلہء تجارت کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے اور وہ قافلہ مال و اسباب سے بھرا ہوا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس کی خبر دی اور اس کے تعاقب میں نکلنے کا حکم فرمایا اور خود بھی ساتھ جانے کی تیاری فرمائی۔ بالآخر ایک عظیم جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک بڑی کامیابی و فتح عطا فرمائی اور غنیمت سے مالا مال فرمایا۔ "المواهب اللدنية" میں ہے:

"ثم غزوة بدر الكبرىٰ......فقد كانت هذه الغزوة أعظم غزوات الإسلام..... وكان خروجهم يوم السبت لثنتي عشرة خلت من رمضان علىٰ رأس تسعة عشر شهرًا....... وإنما قصد ﷺ والمسلمون التعرض لعير قريش، وذلک إن أبا سفيان كان بالشام في ثلاثين راكبا، منهم عمرو بن العاص، فأقبلوا في قافلة عظيمة، فيها أموال قريش، حتى إذا كانوا قريبًا من بدر، فبلغ النبیﷺ ذلک فندب أصحابه إليهم وأخبرهم بكثرة المال وقلة العدد، وقال: هذه عير لقريش فيها أموال فاخرجوا إليها، لعل الله أن ينفلكموها......ولما التقى الجمعان تناولﷺ كفّا من الحصباد فرمى به في وجوهم وقال: شاهت الوجوه...... فانهزموا وقتل الله من قتل من صناديد قريش وأسر من أسر من أمرائهم...... ثم أقبل ﷺ قافلا إلى المدينة ومعه الأسارى من المشركين واحتمل النفل........ فلما خرج من مضيق الصفراء قسم النفل بين المسلمين"۔ قال تحته في الشرح: ("واحتمل النفل) بفتح النون والفاء: "الغنيمة" والجمع: الأنفال"۔

"بلاشبہ غزوۂ بدر کبریٰ اسلام کی جنگوں میں سب سے اہم جنگ تھی۔ مسلمان ہجرت کے انیسویں مہینے رمضان المبارک کے بارویں روز اس غزوے کے لیے نکلے۔ اس جنگ میں آپ ﷺ اور مسلمانوں کا مقصود قافلۂ قریش تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ابو سفیان تیس سواروں کے ہمراہ شام گئے ہوئے تھے جن میں عمرو بن عاص بھی شامل تھے۔ یہ لوگ ایک عظیم قافلہ لے کر چلے جس میں قریش کا بیش بہا سامانِ (تجارت) تھا۔ جب یہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا تو رسول اللہ ﷺ تک اس قافلے کی اطلاع پہنچی۔ آپ ﷺ نے

اسی وقت صحابہ کرام کو اس کی جانب متوجہ کیا اور انھیں خبر دی کہ اس قافلے میں تھوڑے افراد ہیں جبکہ مال بیش بہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ قریش کا قافلہ ہے جس میں بہت سامال ہے، پس اس کی جانب نکلو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بطورِ 'نفل' (یعنی بطورِ غنیمت) تمہیں عطا فرمائے گا۔ .... پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مٹھی بھر ریت اٹھائی اور اسے مشرکین کے چہروں کی جانب یہ کہتے ہوئے پھینکا کہ: یہ چہرے نامراد ہوں! پس اس لشکرِ کفار کو شکست ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے قریش کے سرداروں میں سے جسے چاہا (مسلمانوں کے ہاتھوں) قتل کیا اور جسے چاہا گرفتار کروایا۔ پھر آپ ﷺ مدینہ واپس لوٹے اور آپ کے ہمراہ کفار کے قیدی اور بہت سامالِ غنیمت تھا۔ جب آپ ﷺ صفراء کے درّے سے نکلے تو آپ نے اس مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ شرح میں لکھتے ہیں: 'نفل' سے مراد 'غنیمت' ہے، اور اس کی جمع 'انفال' ہے"۔

[المَواهب اللّدنية بالمِنَح المحمدية مع شرح الزرقاني: ٢/٢٥٥، ٣٣٥، باب غزوة بدر العظمىٰ، ط: العلمية، بيروت]

اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد جب حضور ﷺ نے شرائط کی رُو سے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو کفار کی طرف واپس فرما دیا تھا تو وہ (مشرکین سے بھاگ کر) سمندر کے کنارے ایک مقام پر رک گئے تھے۔ پھر جب مکہ مکرمہ میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو (جو کفار کے پاس پھنسے ہوئے تھے اور ان کے ڈر سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے یا نئے نئے مسلمان ہوئے تھے) پتہ چلا تو وہ بھی ان کے پاس آکر جمع ہوتے رہے حتی کہ یہ ستّر ٧٠ آدمیوں اور ایک روایت کے مطابق تین سو ٣٠٠ آدمیوں کی ایک جماعت بن گئی۔ اب ان حضرات کو جب بھی پتہ چلتا کہ کفار کا تجارتی قافلہ شام جارہا ہے (یا وہاں سے واپس آرہا ہے) تو یہ اس کو روک لیتے اور اس کے سامان وغیرہ پر قبضہ کر کے اسے غنیمت بنا لیتے۔ اور حضور ﷺ نے معلوم ہونے کے باوجود ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی اور نہ ہی انھیں منع فرمایا۔ چنانچہ "نيل الأوطار" میں ہے:

"ثم رجع النبي ﷺ إلى المدينة، فجاءه أبو بصير رجل من قريش وهو مسلم فأرسلوا في طلبه رجلين، فقالوا: العهد الذي جعلت لنا فدفعهٗ إلى

الرجلين...... فخرج حتى أتىٰ سيف البحر، قال: وتَفَلَّتَ منهم أبو جندل بن سهيل فلحق بأبي بصير حتى اجتمعت منهم عصابة، فوالله ما يسمعون بعير خرجت لقريش إلى الشام إلا اعترضوا لها فقتلوهم وأخذوا أموالهم، قال في النيل: (قولهٗ عصابة) أي: جماعة ولا واحد لها من لفظها، وهي تطلق على الأربعين فما دونها، وفي رواية ابن إسحاق: إنهم بلغوا نحو السبعين نفسًا، وزعم سهيلي أنهم بلغوا ثلاثمائة رجل...... وفي الحديث دليل علىٰ أن من فعل مثل أبي بصير لم يكن عليه قَوَد ولا دية"۔

"پھر (صلح حدیبیہ کے بعد) نبی ﷺ مدینہ واپس لوٹ آئے۔ اتنے میں قریش کے ایک مسلمان ابو بصیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ قریش نے دو افراد کو ان کی واپسی کے لیے بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: وہ معاہدہ جو آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے، اسے ایفا کیجیے۔ پس آپ ﷺ نے ابو بصیر کو ان افراد کے حوالے کر دیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ ان سے جان چھڑا کر سیف البحر جا پہنچے۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی مشرکین مکہ سے جان بچا کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آ ملے۔ ایسے میں یہ افراد کا ایک جتھہ بن گیا۔ سو اللہ کی قسم! یہ لوگ قریش کے جس قافلے کی بابت بھی سنتے کہ وہ شام کے لیے نکلا ہے تو اس سے جا بھڑتے، انھیں قتل کرتے اور ان کا مال اپنے قبضے میں لے لیتے۔ صاحبِ نیل نے دوسری جگہ لکھا ہے: 'عصابة' سے مراد جماعت (جتھہ) ہے۔ اس لفظ کی واحد نہیں اور یہ چالیس افراد کے مجموعے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ان لوگوں کی تعداد ستر تک پہنچ گئی تھی۔ سہیلی کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی تعداد تین سو تھی۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ جیسا عمل کرے گا تو نہ وہ سزا کا مستحق ہے اور نہ اس پر کوئی دیت ہے"۔

[نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار من أحاديث سيد الأخيار:۳۸/۸، ۵۱،باب ما يجوز من الشروط مع الكفار إلخ، قصة أبي جندل مع المشركين، ط: مصطفىٰ اليابي، مصر]

پس معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کی قوت توڑنے کے لیے ان کی تجارتی و معاشی سرگرمیوں کو روکنا، خصوصاً حالتِ جنگ میں ان کے فوجیوں کے لیے جانے والی امداد کی ناکہ بندی کرنا اور اس پر قبضہ کر کے غنیمت بنانا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے تاکہ وہ معاشی طور پر کمزور ہوں اور مسلمانوں پر ظلم نہ کر سکیں!

۲۔ واضح رہے کہ مسلمانوں کا کفار سے دوستی کرنا، انھیں تقویت پہنچانا یا ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کرنا، خاص کر جب اس سے دیگر مسلمانوں کا نقصان ہو، شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ جو لوگ کفار کے ساتھ دوستیاں کرتے ہیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ، ارادی یا غیر ارادی طور پر تنبیہ کے باوجود ان کی مدد کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے قرآن و حدیث میں برأت کا اعلان کیا گیا ہے اور انہیں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاء بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدة:51)

”اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا، بے شک وہ ان ہی میں سے ہو گا۔ یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے“۔

تفسیرِ طبری میں ہے:۔

”القول في تأويل قوله: يأيها الذين أمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارىٰ أولياء، اختلف أهل التأويل في المعنى بهذه الآية وإن كان مأمورًا بذالک جميع المؤمنين...... والصواب من القول في ذالک عندنا أن يقال: إن الله تعالىٰ ذكرهٗ، نهى المؤمنين جميعًا أن يتخذوا اليهود والنصارىٰ أنصارًا وحلفاء على أهل الإيمان بالله ورسوله، وأخبر إن من اتخذهم نصيرًا وحليفًا ووليا من دون الله ورسوله والمؤمنين ”فإنه منهم“ في التحزّب على الله وعلى رسوله والمؤمنين وإن الله ورسولهٗ منه بريئان...... ”ومن يتولهم منكم فإنه منهم“ ومن يتولى اليهود والنصارىٰ دون المؤمنين فإنهٗ منهم، يقول: فإن من تولاهم ونصرهم على المؤمنين فهو من أهل دينهم وملتهم، فإنه لا يتولى متول أحدًا إلّا وهو به وبدينه وما هو عليه راض،

وإذا رضيه ورضي دينه فقد عادىٰ ما خالفهٗ وسخطه وصار حكمه، حكمه"۔

"آیت "يأيها الذين اٰمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارىٰ أولياء" کی تفسیر: اہلِ تاویل کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا اس آیت میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے یا نہیں!

......اور ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور مددگار بنائیں۔ اور یہ بتایا ہے کہ جو کوئی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلے میں انھیں اپنا دوست، حلیف اور مددگار بنائے گا تو وہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ کے گروہ میں شمار ہو گا، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس شخص سے بری ہوں گے۔

...... "ومن يتولهم منكم فإنه منهم" یعنی اور جو کوئی مسلمانوں کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنائے گا وہ انھی میں سے ہو گا۔ سو جو کوئی مومنین کے مقابلے میں انھیں اپنا دوست بنائے گا اور ان کی مدد کرے گا تو وہ انھی کے دین و ملت والا شمار ہو گا، کیونکہ کوئی شخص کسی دوسرے سے اسی وقت دوستی کرتا ہے جب وہ اس سے اور اس کے دین سے راضی ہوتا ہے، اور جب وہ اس سے اور اس کے دین سے راضی ہوا تو گویا اس نے اس دوست کی مخالفت کرنے والے دین سے دشمنی کی۔ پس ان دونوں کا حکم ایک سا ہوا"۔

[جامع البيان في تأويل القرآن للطبري: ۱۷۷/۶، ۱۷۹، المائدة ط: دارالمعرفة]

نیز تفسیرِ کبیر میں ہے:

"قوله تعالىٰ: يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود الخ.......۔ ومعنىٰ لا تتخذوهم: أي لا تعتمدوا على الإستنصار بهم ولا تتوددوا إليهم، ثم قال: ومن يتولهم منكم فإنهٗ منهم، قال ابن عباس يريد كأنهٗ مثلهم، وهذا تغليظ من الله وتشديد في وجوب مجانبة المخالف في الدين"۔

"اللہ تعالیٰ کا فرمان: 'انھیں دوست نہ بناؤ' کا مطلب یہ ہے کہ مدد طلب کرنے کے معاملے میں ان پر اعتماد نہ کرو اور نہ ہی ان کی جانب محبت کی پینگیں بڑھاؤ۔ پھر فرمایا: اور جو کوئی انھیں دوست بنائے گا تو وہ انھی میں سے ہو گا۔(اس کے ذیل میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہے۔ یہ آیت رب تعالیٰ کے اس سخت حکم کو بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کفار سے مکمل کنارہ کشی اختیار کریں"۔

[التفسير الكبير للرازي: ١٥/١٢، ١٦، الطبعة الثالثة]

[وكذا في: تفسير ابن كثير: ٥٦١/٢، المائدة-٥١، ط: مكتبة فاروقية-

وكذا في: أحكام القرآن للجصاص: ٢١٦/٢، ٢١٧، مطلب الكافر لا يكون وليا للمسلم، ط: قديمي-

وكذا في: الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ٢١٦/٦، ٢١٧، ط: الهيئة المصرية العامة للكتب-]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَآء مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلاَّ أَن تَتَّقُواْ مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾ (آل عمران:28)

"مومن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مدد گار نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا، اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، الا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لیے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو۔ اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے۔ اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے"۔

تفسیر طبری میں ہے:

"القول في تأويل قوله: لا يتخذ المؤمنون الخ...... ومعنى ذلك لا تتخذوا أيها المؤمنون الكفار ظهرًا وأنصارًا توالونهم على دينهم وتظاهرونهم على المسلمين من دون المؤمنين وتدلونهم على عوراتهم فإنهٗ من يفعل ذلك فليس من الله في شئ يعنى بذلك: فقد بريء من الله وبريء الله منه بإرتداده عن دينه ودخوله في الكفر"۔

"آیت لا يتخذ المؤمنون الخ...... کی تفسیر: اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اہل ایمان! تم کفار کو ہر گز اپنا انصار و مدد گار نہ بناؤ، اس طرح کہ تم ان کے کفر کے باوجود ان سے دوستی کرو، مومنوں کو چھوڑ کر انھیں مسلمانوں پر غالب کرو اور مسلمانوں کے رازوں سے انھیں آگاہ کرو۔ پس جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، یعنی اس کے دین سے ارتداد اور کفر میں داخل ہو جانے کے سبب وہ اللہ سے بری ہوا اور اللہ اس سے بری ہوئے"۔

[جامع البيان في تأويل القرآن للطبري: ۳/ ۲۲۷، ط: العلمية۔]

[وكذا في: تفسير ابن كثير: ۶۹۸/۲، آل عمران:۲۸، ط: دار ابن حزم۔

وكذا في: أحكام القرآن للجصاص: ۱۱/۲، ۱۲، ط: العلمية بيروت۔

وكذا في: الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۸۷/۵، ط: مؤسسة الرسالة۔

وكذا في: تفسير ابن أبي حاتم الرازي: المسمى: التفسير المأثور: ۱۲۹/۲، رقم الحديث:۳۴۲۶ آل عمران:۲۸، ط: العلمية بيروت۔

وكذا في: التفسير الكبير للطبراني: ۳۶/۲، ط: دارالكتاب الثقافي۔

وكذا في: فتح القدير بين فنّي الرواية والدراية من علم التفسير للشوكاني: ۴۱۷۰/۱ ط.:العلمية]

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (المائدۃ:2)

"اور دیکھو نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ﴾ (القصص:17)

"کہنے لگے کہ اے پروردگار تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے تو میں بھی آئندہ کبھی گنہگاروں کا مدد گار نہ بنوں گا"۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال عطاء : فلا يحل لأحد أن يعين ظالما ولا يكتب له ولا يصحبه وأنه إن فعل شيئا من ذلك فقد صار معينا للظالمين وفي الحديث : "ينادي مناد يوم القيامة أين الظلمة وأشباه الظلمة وأعوان الظلمة حتى من لاق لهم دواة أو برى لهم قلما فيجمعون في تابوت من حديد فيرمى به في جهنم" ويروى عن النبي (صلى الله عليه وسلم) أنه قال : "...... من مشى مع ظالم ليعينه على ظلمه أزل الله قدميه على الصراط يوم تدحض فيه الأقدام" وفي الحديث : "من مشى مع ظالم فقد أجرم"۔

"حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ؛ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ظالم کی اعانت کرے یا اس کے کسی معاملے کو لکھے یا اس کی صحبت اختیار کرے، جس نے ان میں سے کوئی بھی کام کیا وہ ظالموں کا مددگار شمار ہو گا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: "قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ کہاں ہیں ظالم لوگ؟ اور ان کے مددگار؟ یہاں تک کہ وہ لوگ جنہوں نے ظالموں کے دوات قلم کو درست کیا ہے، وہ سب لوہے کے ایک تابوت میں جمع کر کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے" ایک دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ: "جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لیے چلا تو جس دن لوگوں کے قدموں میں ایک جگہ ٹھہرنے کی طاقت نہیں ہو گی (یعنی قیامت کے دن) اس دن اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو پُل صراط سے پھسلا دے گا"۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: "جو شخص کسی ظالم کے ساتھ چلا (اس کی مدد کرنے کے ارادے سے) وہ مجرم ہے"۔

[الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۲۶۳/۱۳، القصص:۱۷، ط: الهيئة المصرية العامة للكتب]

معجم کبیر للطبرانی میں ہے:

" إن أوس بن شرحبيل أحد بنى المجمع حدثهٗ أنهٗ سمع رسول الله ﷺ يقول: من مشى مع ظالم ليعينه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام"۔

"اوس بن شرحبیل سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ظالم کو ظالم سمجھتے ہوئے اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ چلا تو وہ اسلام سے نکل گیا"۔

[المعجم الكبير للطبراني:۱۷۴/۱، رقم الحديث:۶۱۸، باب لمن أعان ظالمًا من العقوبة، مسند أوس بن شرحبيل، ط: العلمية، بيروت]

مذکورہ بالا تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ظالم و غاصب امریکی فوجیوں کے لیے سامان لے جانا یا کسی بھی طرح ان کی مدد کرنا 'ناجائز و حرام' ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

"ليس للتاجر أن يحمل إلى دارالحرب ما يستعين به أهل الحرب على الحرب من الأسلحة...... وكل ما يستعان به في الحرب؛ لأن فيه إمدادهم وإعانتهم على حرب المسلمين"۔

"کسی تاجر کو جائز نہیں کہ وہ ایسی کوئی چیز (فروخت کرنے کے لیے) دارالحرب لے کر جائے جو لڑائی میں کافروں کے کام آسکے، جیسا کہ اسلحہ اور جنگ سے متعلقہ ہر شے؛ کیونکہ ایسا کرنا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کفار کی مدد و اعانت کے مترادف ہے"۔

[بدائع الصنائع: ۱۰۲/۷، ط: سعيد]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"لا بأس بأن يحمل المسلم إلى أهل الحرب ما شاء إلا الكراع والسلاح والسبي...... المراد من الكراع الخيل والبغال والحمير والإبل والثيران التي يحمل عليها المتاع ويستعمل في الحرب"۔

"مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کُراع (مخصوص جانوروں)، اسلحے اور قیدیوں کے علاوہ جو چاہے دارالحرب لے جاسکتا ہے...... یہاں کُراع سے مراد گھوڑے، خچر، گدھے، اونٹ اور بیل مراد ہیں جن پر سامان لادا جاتا ہے اور وہ لڑائی میں استعمال ہوتے ہیں"۔

[هندية: ۲۳۳/۲، ط: رشيدية]

[كذا في: الشامي: ۱۳۴/۴، كتاب الجهاد۔ مطلب في بيان نسخ المثلة، ط: سعيد۔
وكذا في: التاتارخانية: ۲۸۱/۵، ط: إدارة القرآن]

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جو لوگ غاصب و ظالم نیٹو یا امریکی فوجیوں وغیرہ کے لیے امدادی سامان کے کنٹینر چلا کر لے جاتے ہیں (خواہ وہ ان کنٹینروں کے خود مالک ہوں یا صرف ڈرائیور ہوں بہرصورت) وہ بالواسطہ ان فوجیوں کی مسلمانوں کے خلاف مدد کر کے بہت بڑے جرم اور حرام کے مرتکب ہو رہے ہیں!

لہٰذا اگر مجاہدین جنگ زدہ علاقہ میں مذکورہ امدادی سامان کے کسی کنٹینر اور اس کے ڈرائیور کو پکڑلیں تو ان کے لیے اس کنٹینر کے ڈرائیور کو قید کرنا اور اگر ضروری ہو تو قتل کرنا بھی جائز ہے تا کہ آئندہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے دشمن کی مدد نہ کرسکے!

جیسا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مقیم وہ مسلمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان میں سے بعض نے کسی وجہ سے کفار کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا اور کفار کی مدد کی تھی؛ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کے مسلمان ہونے کی بالکل رعایت نہیں کی بلکہ بعض کو جنگ کے دوران قتل کر دیا گیا اور بعض کو قید کر لیا گیا۔ خود حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی اعانت و نصرت اور ان کے ساتھ مل کر لڑنے کی وجہ سے قید کیے گئے، حالانکہ وہ پوشیدہ طور پر دل سے اسلام لا چکے تھے اور قید ہونے کے بعد حضور ﷺ کے سامنے اس کا اقرار بھی کر رہے تھے۔ اس کے باوجود انہیں قید کیا گیا اور حضور ﷺ نے خود ان سے فدیہ وصول کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا۔

بہر حال! ایسے مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ نے بھی کوئی عذر قبول نہیں فرمایا، چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلآئِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الأَرْضِ قَالُوْا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيهَا فَأُوْلَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءتْ مَصِيرًا﴾ (النساء:97)

”بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنھوں نے اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو وہ (ان سے) کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے، وہ کہتے ہیں: کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی، تم کو ترک وطن کرکے اس میں چلا جانا چاہیے تھا، سو ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جانے کے لیے وہ بری جگہ ہے“۔

تفسیرِ خازن میں ہے:

”إن الذين توفاهم الملائكة...... الآية نزلت في أناس تكلموا بالإسلام ولم يهاجروا--- فلما خرج المشركون إلىٰ بدر خرجوا معهم فقتلوا مع

الكفار فأنزل الله تعالىٰ هذه الآية: إن الذين توفاهم--- الآية وقيل: "ظالمي أنفسهم"بخروجهم مع المشركين يوم بدر وتكثير سوادهم حتى قتلوا معهم---الخ"۔

"یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا تھا مگر ہجرت نہیں کی تھی۔ پس جب کفار بدر کے لیے روانہ ہوئے تو یہ لوگ بھی ان کے ہمراہ چلے آئے، اور انھی کے ساتھ مارے گئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: إن الذين توفاهم--- اور آیت میں وارد "ظالمي أنفسهم" کی تفسیر میں یہ قول بھی ہے کہ چونکہ وہ بدر کے دن مشرکین کے ہمراہ جنگ کے لیے نکلے اور ان کی تعداد میں اضافے کا سبب بنے یہاں تک کہ کافروں کے ہمراہ قتل بھی ہوئے لہٰذا وہ ظالم ہیں"۔

[لباب التأويل في معاني التنزيل، المعروف بالخازن:۱۴۲/۲۔ ط:العلمية]

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے:

"قولهٗ تعالىٰ: قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها......۵۹۰۳...... عن السدي قال: لما أسر العباس وعقيل ونوفل قال رسول اللهﷺ للعباس: أفد نفسک وابن اخیک، قال يا رسول الله ألم نصل قبلتک ونشهد شهادتک؟ قال يا عباس: إنكم خاصمتم فخصمتم، ثم تلا عليه هذه الآية: 'ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها.....الخ"۔

"آیت قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها...... کی تفسیر: سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ، عقیل اور نوفل گرفتار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا: اپنے اور اپنے بھتیجے کے بدلے فدیہ دو۔ وہ کہنے لگے: اے رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کے قبلے کی جانب نماز نہیں پڑھتا اور کیا میں وہی گواہی نہیں دیتا جو آپ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! چونکہ تم نے لڑائی کی، سو تمہارے ساتھ لڑائی کی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها.....الخ"

[تفسير ابن ابي حاتم الرازي، ۱۲۲/۳، ۱۲۳، النساء:۹۷ ط: العلمية، بيروت]

فتح الباری میں ہے:

"باب: إن الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم الآية:۴۵۹۶: عن محمد بن عبد الرحمٰن أبو الأسود قال: قطع على أهل المدينة بعث فاكتتبت فيه، فلقيت عكرمة مولى ابن عباس فأخبرته، فنهاني عن ذلک أشد النهي، ثم قال: أخبرني عباس أن ناسا من المسلمين كانوا مع المشركين يكثرون سواد المشركين على رسول اللهﷺ، يأتي السهم يرمى به فيصيب أحدهم فيقتله أو يضرب فيقتل، فأنزل الله: إن الذين توفاهم الملائكة، رواه الليث عن أبي الأسود...... وغرض عكرمة إن الله ذم من كثر سواد المشركين مع أنهم كانوا لا يريدون بقلوبهم موافقتهم، قال: فكذلک أنت لا تكثر سواد هذا الجيش وإن كنت لا تريد موافقتهم؛ لأنهم لا يقاتلون في سبيل الله"۔

"باب إن الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم الآية: محمد بن عبد الرحمان کہتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کو ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے بھی اس میں اپنا نام لکھوا دیا۔ پھر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے ملا تو میں نے آپ رضی اللہ عنہما کو اس بات کی خبر دی۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہما نے مجھے شدت کے ساتھ ایسا کرنے سے منع کیا اور پھر کہنے لگے: مجھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ (بدر کے دن) مشرکین کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے نکلے اور ان کی تعداد میں اضافے کا باعث بنے۔ پھر ان میں سے کسی کو تیر لگا اور وہ مارا گیا، اور کوئی تلوار کی ضرب لگنے سے جان سے گیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ إن الذين توفاهم الملائكة 'وہ لوگ جنھیں فرشتوں نے مارا، وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے'۔

اس واقعے کے ذریعے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کی تعداد میں اضافے کا باعث بننے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، چاہے وہ دل سے ان مشرکین کے ساتھ راضی نہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ رحمہ اللہ نے راوی سے فرمایا:

اسی طرح تم (اس لشکر میں شامل ہو کر) اس کی تعداد مت بڑھاؤ جبکہ تم ان سے متفق نہیں ہو، کیونکہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں نہیں لڑ رہے"۔

[فتح الباري: ۲۲۴/۹، ۲۲۳، کتاب التفسیر، النساء: ۹۷ ط: العلمیة، بیروت]

البدایہ والنہایۃ میں ہے:

"وقد ذكر ابن إسحاق فيمن قتل يوم بدر مع المشركين ممن كان مسلما ولكنه خرج معهم تقية منهم لأنه كان فيهم مضطهدا قد فتنوه عن إسلامه جماعة منهم، الحارث بن زمعة بن الأسود، وأبو قيس بن الفاكه [وأبو قيس بن الوليد بن المغيرة] وعلي بن أمية بن خلف، والعاص بن منبه بن الحجاج. وفيهم نزل قوله تعالى: (الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم ---الآية <u>وكان جملة الأسارى يومئذ سبعين أسيرا ---- منهم من آل رسول الله صلى الله عليه وسلم عمه العباس بن عبد المطلب، وابن عمه عقيل</u> ......الخ"۔

"ابن اسحاق رحمہ اللہ نے ان مسلمانوں کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے اسلام کو چھپاتے ہوئے بدر کے روز مشرکین کے ہمراہ نکلے تھے اور پھر انھی کے ہمراہ مارے گئے۔ یہ لوگ اہلِ مکہ کے درمیان ذلت کی زندگی گزار رہے تھے، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو اسلام کے سبب اذیتیں بھی دی گئیں۔ ان مارے جانے والوں میں حارث بن زمعہ بن اسود، ابو قیس بن فاکہ (ابو قیس بن ولید بن مغیرہ)، علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج شامل ہیں۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم ---الآية۔ نیز بدر کے روز کل ستر افراد مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ان میں رسول اللہ ﷺ کے خاندان میں سے آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے"۔ (حضرت عقیل اس وقت مسلمان نہ تھے، بعد میں فتحِ مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور کچھ کے مطابق آپ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ مدیر)

[البداية والنهاية، المجلد للثاني، الجزء: ۲۹۶/۱، ۲۹۷، غزوة البدر العظمىٰ، طرح رؤوس الكفر في بئر، قبل فصل: وقد اختلف الصحابة في الأسارىٰ، ط: دارالريان للتراث۔
وفيه أيضا: المجلد الثاني: الجزء: ۳۰۰/۱ أيضا، ط: دارالريان للتراث]

درج بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ: جو مسلمان کسی بھی طرح کفار کی مدد واعانت کریں خواہ ان کے ساتھ لڑائی میں شامل ہو کر، خواہ لڑائی کا سامان ان تک پہنچا کر بہر صورت وہ بھی انہیں کفار کی طرح اسلام کے دشمن اور شریعت کی نگاہ میں مجرم ہیں، چنانچہ اگر ایسے مسلمان جنگ زدہ علاقے میں پکڑے جائیں تو انہیں قید کرنا اور اگر ضروری ہو تو قتل کرنا شرعاً جائز ہے، پھر قید کی صورت میں اگر تاوان لے کر چھوڑنا مناسب ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔

۳۔ کنٹینر کا حکم بھی وہی ہے جو اس میں موجود سامان کا ہے، یعنی اگر جنگ زدہ علاقہ میں مجاہدین اس کنٹینر پر قبضہ کر لیں تو وہ اس کے اندر موجود سامان کی طرح اس کنٹینر کو بھی بطورِ غنیمت لے سکتے ہیں۔

فقط، واللہ اعلم

کتبہٗ

محمد ولی اللہ حسین

المتخصص في الفقه الإسلامی

جامعة العلوم الإسلامية

علامه بنوری ٹاؤن، کراچی

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ / ۲۴ اگست ۲۰۱۰ء

جدید عسکریت کے نظریات (قسط دوم)

ڈاکٹر ہدایت اللہ مہمند

شریعتِ اسلامیہ جس طرح ایک بندۂ مومن کو اس کی زندگی کے تمام دیگر پہلوؤں پر رہنمائی فراہم کرتی ہے، ہر مضر چیز سے خبر دار کرتی اور ہر خیر و بھلائی سے روشناس کراتی ہے، بالکل اسی طرح وہ اسے اس امر پر بھی ابھارتی ہے کہ وہ اعدائے اسلام کے شر ور سے بچنے، ان کا مقابلہ کرنے اور انہیں شکست دینے کے لیے دشمن اور اس کی مختلف اصناف کو پہچانے، ہر صنف کے عقائد و نظریات، تاریخ و پس منظر اور اہداف و مقاصد کو سمجھے اور کفر پہ قائم نظام ہائے باطل کا عمیق فہم حاصل کرے۔ نیز یہ جاننے کی سعی کرے کہ ان نظام ہائے باطل کی قوت کا منبع کیا ہے؟ ان کے کمزور مقامات کون سے ہیں؟ ان کے منصوبے کیا ہیں؟ اور چالیں اور طریقے کیا؟ قرآنِ عظیم الشان میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

''اور اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں (تاکہ تم لوگ ان پر عمل کرو) اور تاکہ مجرموں کا رستہ ظاہر ہو جائے''۔ (سورۂ انعام: ۵۵)

گویا قرآنِ عظیم الشان کی تعلیمات کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی پر ایمان رکھنے والے بندے، اللہ کے نافرمانوں اور اسلام کے دشمنوں کا رستہ اچھی طرح پہچان جائیں اور پوری بصیرت کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں۔ متعدد مفسرین، مثلاً علامہ زمخشری، اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: ''(قرآن میں اتنی کھول کھول کر آیات بیان کر دینے سے مقصود یہ ہے کہ) تم پر ان مجرموں کا رستہ واضح ہو جائے اور پھر تم ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرو جیسا کہ (ان کو جان لینے کے بعد) ان کے ساتھ کیا جانا چاہیے''۔

ہمارے سامنے ایسی مثالوں کی کمی نہیں جہاں کوئی دینی جماعت اخلاص کے ساتھ سالہاسال خدمتِ دین میں مصروف رہی، لیکن جب غبار چھٹا تو معلوم ہوا کہ دشمن کو سمجھ نہ پانے کے سبب اس کی جدوجہد کا بیشتر فائدہ بالآخر مسلمانوں کی بجائے کفار کو پہنچا۔

پھر بالخصوص جب معاملہ جہاد و قتال کا ہو، تو وہاں اس حوالے سے چوکنا رہنا اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ جنگ تو کہتے ہی اس کو ہیں کہ دشمن کو اپنے ارادوں اور منصوبوں سے غافل رکھا جائے اور اس کے خلاف محکم تدبیریں اور مؤثر چالیں استعمال کی جائیں۔ ایسے میں دشمن کے اصل منصوبوں اور اس کے حقیقی نظریات و عقائد سے غفلت مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مجاہد عالمِ دین شیخ ابو الولید الانصاری الفلسطینی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"جان لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "الحرب خدعة" میں وارد ہونے والے لفظ (خدعة) کو چھ (٦) طرح سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ انہی میں سے ایک تلفظ یہ ہے کہ اسے (خَدْعَةٌ) پڑھا جائے، اور اس صورت میں حدیثِ مبارکہ کا معنی یہ ہو گا کہ: **جنگ ایک ایسا میدان ہے کہ اگر کوئی فریق اس میں ایک بار دھوکا کھا جائے اور پھسل کر گر جائے تو جنگ اسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہیں دیتی۔** اسی طرح اس لفظ کو (خُدَعَةٌ) بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مفہوم یہ بنے گا کہ: جنگ کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ دھوکا دیتی ہے، یعنی جنگ میں ہر فریق یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے اصل ارادے و عزائم سینے میں چھپائے رکھے اور فریقِ مخالف کو اپنے اصل منصوبے کے بالکل برعکس تاثر دے۔ **پس یہ حدیثِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا دشمن ظاہر میں جو اقوال و افعال کر رہا ہو، ان کے پس منظر میں موجود اصل ارادوں اور منصوبوں سے ہر دم ہوشیار رہنا واجب ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو علوم اور جو بھی مباح اسباب دشمن کے اصل نظریات، ارادے اور منصوبے سمجھنے میں مدد دیں، ان کا سیکھنا مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے۔** فقہی اصول ہے کہ "ما لا يَتِمُّ الواجِبُ إلا بِهِ فَهُوَ واجِبٌ"، یعنی جس کام کو کیے بغیر کسی واجب کی ادائیگی ناممکن ہو تو خود وہ کام بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اب چونکہ ان علوم کو سیکھے بغیر اسلامی سرحدات کا تحفظ ناممکن ہے اس لیے یہ علوم سیکھنا بھی واجب ہے۔ **الغرض، ایسی چالیں اور تدبیریں سیکھنا بھی شرعاً واجب ہے جن سے دشمن کی شوکت توڑی جا سکے اور اہلِ اسلام کا دفاع یقینی بنایا جا سکے"۔** (رسائل الثغور للشيخ أبي الوليد، الرسالة الثامنة)

اسی مضمون میں ایک اور مقام پر آپ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ:

"ممکن ہے کہ کسی عام مسلمان کے لیے بس اتنا علم ہی کافی ہو کہ یہود، نصاریٰ، مجوس اور دیگر دشمنانِ دین، اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ہر دم سازشوں میں مصروف رہتے ہیں، لیکن صاحبِ حیثیت افراد اور مسلمانوں کے اہلِ حل و عقد کے لیے علم و معرفت کی یہ سطح قطعی ناکافی ہے۔ ان پر تو لازم ہے کہ وہ کفار کی چالوں اور تدبیروں کو گہرائی سے سمجھیں، ان کے مخفی پہلوؤں کو جانیں، ان کی اصناف و اقسام سے واقف اور

ان کے مقاصد و اہداف پر مطلع ہوں۔ اور یہ سب تبھی ممکن ہے جب وہ اپنے علم و فہم کے دائرے کو وسیع کریں اور میدانِ عمل میں اتر کر واقعات و حوادث کا قریب سے مشاہدہ کریں"۔(رسائل الثغور للشيخ أبي الوليد، الرسالة الثامنة)

آج عالمِ اسلام ایک ہمہ جہت صلیبی صہیونی یلغار کی زد میں ہے اور اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے ایمانی زادِ راہ مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ، دشمن کو سمجھنا اور اس کو سمجھ کر اس کے مقابلے کے لیے اپنی صفیں ترتیب دینا ضروری ہے۔ یہی پس منظر ذہن میں رکھتے ہوئے ہم نے گزشتہ شمارے سے "إعرف عدوّک" ("اپنے دشمن کو پہچانیے") کے عنوان تلے ان شاء اللہ یہ مستقل سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سلسلے کی ابتداء عالمی نظامِ کفر کے سب سے اہم اور مرکزی ستون، یعنی اس کی "عسکری طاقت" کو سمجھنے اور اس کے پس منظر میں کار فرما نظریے و فلسفے کا جائزہ لینے سے کی گئی ہے۔

پچھلے شمارے میں ہم نے پڑھا تھا کہ انقلابِ فرانس کے بعد دنیا بھر میں رائج ہونے والی جدید عسکریت کو سمجھنے کے لیے امریکہ و یورپ کے نمایاں عسکری ماہرین و مفکرین کے نظریات کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے گزشتہ شمارے میں ہم نے کلازوٹ کے نظریات کا جائزہ لیا۔ اس دفعہ ہم اِن شاء اللہ ایسے تین مزید مغربی مفکرین کے نظریات کا مطالعہ کریں گے، جن کی تجویز کردہ حکمتِ عملی کو امریکہ اور مغرب نے سرد جنگ کے دوران روس کے خلاف اپنایا اور امریکی فوج کی تنظیم نو بھی اسی کی روشنی میں ہوئی۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب مغرب یہی نظریات اور حکمت عملیاں امتِ مسلمہ اور مجاہدین کے خلاف اپنائے ہوئے ہے۔ (مدیر)

مغرب اور امریکہ کی عالمی افواج کی تنظیمی ساخت

اس وقت دنیا میں دو طرح کی افواج پائی جاتی ہیں:

- **ایک روایتی قومی افواج**، جیسا کہ ہر ایک ملک نے اپنی ایک روایتی فوج بنا رکھی ہے۔
- **اور دوسری عالمی افواج** جیسے امریکہ، ایساف، اقوامِ متحدہ اور نیٹو کی افواج۔

پھر عالمی افواج کے بھی دو حصے ہیں؛ ایک روایتی عالمی فوج اور دوسرا رعب قائم کرنے والی عالمی غیر روایتی فوج۔

روایتی قومی افواج اور عالمی افواج میں فرق

روایتی قومی افواج اور عالمی افواج دونوں کی تربیت و تنظیم کلازوٹ کے نظریے ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے مگر ان میں فرق ان کی تشکیل کے نظریات کی بنا پر آتا ہے۔ زمانہ قدیم سے کسی بھی

عسکری قوت کو استعمال کرنے کا مقصد دشمن کے 'ارادۂ جنگ' (will to fight) کو ختم کرنا ہی رہا ہے تاکہ وہ حملہ آور کے مطالبات مان لے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کا حوصلۂ جنگ اور ارادۂ جنگ کیسے ختم کیا جائے؟ اس مقصد کے حصول کے تین طریقے ہیں:

- پہلا طریقہ **پیش بندی کا طریقہ** کہلاتا ہے۔ اس طریقے میں عسکری قوت کو اس انداز میں استعمال کیا جاتا ہے کہ دشمن جنگ کے لیے نکلنے سے پہلے ہی جنگ کا ارادہ ترک کر دے۔
- جنگ کا دوسرا طریقہ **رعب قائم رکھنے کا طریقہ** ہے۔ اس طریقے میں اگر دشمن جنگ کے لیے نکل بھی آئے تو اسے یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسے جنگ سے متوقع فائدے کی نسبت کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔
- اگر پیش بندی اور رعب قائم رکھنے کے طریقے ناکام ہو جائیں تو پھر **روایتی جنگ کا طریقہ** اپنایا جاتا ہے۔

عالمی فوج کی حیثیت حاصل کرنے کے لیے امریکہ نے انھی تین طریقہ ہائے جنگ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوج کو منظم کیا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالمی افواج کو مذکورہ طریقوں کے تحت کیسے منظم کیا گیا؟ اس کے لیے ہمیں جدید عسکری نظریات میں سے تین اہم نظریات کو سمجھنا ہو گا۔ لہٰذا یہاں ہم پہلے ان نظریات کو بیان کریں گے اور پھر ان کی روشنی میں عالمی افواج کی تشکیل کا جائزہ لیں گے۔

عالمی افواج کی تشکیل کے نظریات

عالمی افواج کی تشکیل میں تین نظریات اہم ہیں:

- موہان (Mohan) کا بحری طاقت (Sea Control) کا نظریہ
- لڈل ہارٹ کا بالواسطہ رسائی (Indirect Approach) کا نظریہ
- اینڈرے بیوفری (Andre Beaufre) کا ایٹمی زمانے میں بالواسطہ حکمتِ عملی (Indirect Strategy) کا نظریہ

موہان کا نظریہ

امریکی بحریہ کے وائس ایڈمرل موہان Mohan نے ریٹائر ہونے کے بعد ۱۸۹۰ء میں اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "Influence of sea on world power" (عالمی طاقت پر سمندری قوت کے اثرات) لکھی جس کی بدولت وہ ایک تاریخ دان کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اس کتاب نے امریکی حکومت کی حکمتِ عملی انقلابی حد تک بدل کر رکھ دی، یہاں تک کہ اس وقت کے امریکی صدر روزویلٹ نے اپنی تمام تر توجہ بحری طاقت کے حصول پر مرکوز کر دی۔

اپنی کتاب Race to the swift میں جدید دور کا عسکری ماہر رچرڈ سمکن لکھتا ہے کہ ”جتنے بھی عسکری نظریات آج تک پیش ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی کوئی نہ کوئی حد ہے، لیکن موہان کے نظریے کی کوئی حد نہیں“۔

معیشت و عسکریت کا باہمی ربط

موہان اپنی کتاب میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نہ تو معیشت کی مضبوطی عسکری قوت کے بغیر ممکن ہے اور نہ عسکری قوت معیشت کے بغیر حاصل کی جا سکتی۔ گویا عسکری قوت میں اضافے اور معیشت کی مضبوطی کا ایک دوسرے سے گہرا رشتہ ہے۔ اس بات کو وہ تاریخی حوالوں ___ خصوصاً انگلستان اور یورپ کی تاریخ سے ___ ثابت کرتا ہے۔

”سمندروں پر قبضے (sea control) کا نظریہ“

مزید وہ کہتا ہے کہ عالمی طاقت بننے کے لیے سمندر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، لہٰذا سمندر پر سیاسی اور عسکری غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ یعنی عالمی طاقت بننے کے لیے سمندروں بالخصوص بحری تجارتی گزرگاہوں پر مکمل قبضہ (sea control) حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ کی مدد سے موہان یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا کی اہم ترین بندر گاہیں کمزور ممالک میں موجود ہیں، جبکہ وہاں سے دنیا بھر کا مالِ تجارت گزرتا ہے۔ ان پر قبضہ کرنے سے خود بخود دنیا کی تجارت امریکہ کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ لہٰذا امریکہ کو چاہیے کہ کسی نہ کسی طرح ان بندر گاہوں پر سیاسی برتری حاصل کرے اور جہاں سیاسی برتری حاصل کرنا ممکن نہ ہو، وہاں عسکری قبضہ کرے۔ ان اہم بندرگاہوں کو اس نے ”تزویراتی مراکز“

(Strategic Points)[1] کا نام دیا ہے۔ موہان کے مطابق ایسے مقامات کا انتخاب کرنا چاہیے جو بڑے سمندروں کے بجائے چھوٹے سمندروں پر واقع ہوں، جن کے قریب تجارتی گزرگاہیں بھی ہوں اور وہ جغرافیائی اعتبار سے ایسے "تزویراتی خطوط" تشکیل دیتے ہوں جہاں سے دوسروں پر حملہ بھی کیا جاسکے اور دوسروں کے مقابلے میں اپنا دفاع بھی کیا جاسکے۔ اس نے امریکی حکومت کو مشورہ دیا کہ اس حکمتِ عملی کو امریکہ سے متصل سمندروں میں فی الفور نافذ کیا جائے۔ آج امریکی بحری افواج کے تنظیمی ڈھانچے اور دنیا کے اہم بحری مقامات پر ان کی موجودگی کو دیکھنے سے امریکی سیاست پر اس نظریے کے اثرات خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔

لڈل ہارٹ کا بالواسطہ رسائی (Indirect Approach) کا نظریہ

پہلی جنگِ عظیم کے دوران عسکری ٹیکنالوجی میں اچانک ترقی ہوئی جس کے سبب نہایت مہلک و مؤثر ہتھیار وجود میں آ گئے۔ مگر اس کی مناسبت سے فوجوں کی تربیت نہ کی جا سکی، جس کا نتیجہ Attrition Warfare یا **"تباہی کے طریقہء جنگ"** کی صورت میں نکلا۔ یہ وہ طریقہء جنگ ہے جس میں حملے کا بنیادی مقصد دشمن کے حجم کو اتنا نقصان پہنچانا ہوتا ہے کہ اس کی مادی طاقت تباہ ہو جائے اور وہ جنگ لڑنے کی سکت کھو بیٹھے۔ یہاں 'حجم' سے مراد تمام افرادی، صنعتی اور عسکری قوت اور تمام تر وسائل واسباب ہیں۔ گویا دشمن کی فوج، فوجی سازو سامان، شہری آبادی، کارخانے، ڈیم سبھی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔[2] اس طریقۂ جنگ میں دونوں اطراف کو بے تحاشہ تباہی اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور

---

[1] یہاں "تزویراتی مراکز" یا (Strategic Points) سے مقصود وہ مقامات ہیں جو جنگی حکمتِ عملی کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوں۔

[2] ظاہر ہے کہ یہاں ہم کفار کے جنگی نظریات اور طریقوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، تاکہ ان کو سمجھ کر ان کا بہتر طور پر مقابلہ کر سکیں۔ البتہ ہم خود جنگ کے لیے جو بھی حکمتِ عملی اختیار کریں گے اس کے لیے ہمیں شریعت سے رجوع لازم ہو گا اور جائز شرعی اہداف اور ناجائز اہداف میں فرق کرنا ہو گا۔

فتح اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب دشمن اپنے امن وسکون اور اپنی بقاء کے بدلے شکست برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔اس طریقۂ جنگ کو عسکری اصطلاح میں بعض اوقات 'بے مقصد ذبح خانہ' کہا جاتا ہے، کیونکہ بہت سے ایسے عسکری اہداف جنہیں بہت کم تباہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے، یوں بہت زیادہ تباہی کے بعد ہی حاصل ہو پاتے ہیں۔پہلی جنگِ عظیم میں عملاً یہی 'ذبح خانہ' دیکھنے کو ملا، جب یورپ کی مختلف کافر اقوام نے ایک دوسرے پر دیوانہ وار حملے کر کے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بہت سے علاقوں کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا اور ہولناک قتل وغارت کی۔

اس جنگ کے بھیانک نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے عسکری ماہرین نے نئے نظریات پیش کیے جنھیں Maneuver Warfare یا **"چالبازی کا طریقۂ جنگ"** کہا گیا۔ان میں سب سے زیادہ مقبولیت مشہور عسکری ماہر لڈل ہارٹ کے **"بالواسطہ رسائی کے نظریے"** (Indirect Approach) کو حاصل ہوئی۔

نظریے کی تفصیل

لڈل ہارٹ کا نظریہ یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ آمنے سامنے براہِ راست مقابلے کی بجائے اس کے کمزور ترین عضو پر اپنے مضبوط ترین عضو سے حملہ کیا جائے تاکہ دشمن کا جسم اپنی جگہ سے ہل جائے (dislocate ہو جائے) اور نتیجتاً اس کے لڑنے کا ارادہ (Will to Fight) ہی سلب ہو جائے۔اس کی سادہ مثال یہ ہے کہ بیل کو سینگوں سے پکڑنے کی بجائے شیر اپنے مضبوط جبڑے سے اس کی گردن دبوچ لیتا ہے جس سے بیل لڑکھڑا جاتا ہے اور پھر نہ وہ اپنے سینگ استعمال کرنے کی حالت میں ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے پاؤں۔اس طرح دشمن پر براہِ راست (direct) سامنے آکر حملہ کرنے کی بجائے بالواسطہ (indirectly) یا مڑ کر حملہ کیا جاتا ہے۔یوں بہت کم وقت اور کم قوت سے جنگ جیتی جا سکتی ہے۔

دشمن کو لڑکھڑا دینے (dislocation) کے طریقے

لڈل ہارٹ اپنے نظریے میں کہتا ہے کہ دشمن کے ارادۂ جنگ کو ختم کرنے کے لیے مادی اور نفسیاتی محاذ، دونوں پر لڑنے کی ضرورت ہے، جو کہ چار طریقوں سے ممکن ہے:

- محاذِ جنگ کو یکدم تبدیل کرنا۔
- دشمن کی قوت کو منتشر کر دینا۔

- اس کی رسد کو کاٹ دینا۔
- اس کی واپسی کے راستوں کو بند کرنا۔

یہ چاروں، حملے کے بالواسطہ طریقے ہیں جن سے مقصود دشمن پر سیدھا حملہ کر کے اسے تباہ کرنے کے بجائے، اس کے آزادانہ کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کرنا (restriction of freedom of action) ہے، جبکہ اپنے سامنے تمام دروازے کھلے رکھنا ہے۔ اس طرح دشمن کی قیادت کو شدید نفسیاتی دھچکا لگتا ہے، اس کا ذہن مفلوج ہو جاتا ہے اور نتیجتاً بہت سی مادی قوت رکھنے کے باوجود بھی دشمن لڑکھڑا جاتا ہے۔ یوں بڑے سے بڑے دشمن پر بآسانی قابو پایا جاسکتا ہے۔

یہ نظریہ مغرب میں بہت مقبول ہوا اور دوسری جنگِ عظیم میں اسی کو استعمال کیا گیا۔ مگر یہ نظریہ خالصتاً عسکری نظریہ تھا جس کے اثرات بھی صرف عسکری میدان تک محدود رہے۔

بیوفری کا ایٹمی زمانے میں بالواسطہ تزویرات کا نظریہ(Indirect Strategy)

اینڈرے بیوفری (Andre Beaufre) ایک فرانسیسی جرنیل تھا جس نے نیٹو (NATO) کی تنظیمِ نو میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے ۱۹۵۵ء میں الجزائر کی جنگ اور ۱۹۵۶ء میں نہر سویز کے تنازعے میں اپنی فوج کی قیادت کی تھی۔ ۱۹۶۳ء میں اس نے ''ایٹمی زمانے میں بالواسطہ تزویرات (indirect strategy) کا نظریہ'' پیش کیا جسے اس کے پیش رو اور عسکری ماہر لڈل ہارٹ نے دورِ جدید کا بہترین نظریہ قرار دیا۔ بیوفری کے مطابق اس کا نظریہ لڈل ہارٹ اور موہان کے نظریات کا تسلسل اور ان دونوں کا وسیع تر تصور ہے۔ اس نے دونوں نظریات کی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں محض عسکری میدان تک محدود رکھنے کی بجائے قوت کے تمام سرچشموں پر یکساں طور پر لاگو کیا۔

بیوفری اور لڈل ہارٹ کے نظریات کے مابین فرق

بیوفری اپنے اس نظریے اور لڈل ہارٹ کے بالواسطہ رسائی کے نظریے کا فرق بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لڈل ہارٹ کا نظریہ صرف عسکری نوعیت کا حامل، ایک خاص خطے میں مقید اور چالبازی کے طریقۂ جنگ(Maneuver warfare) تک محدود تھا۔بیوفری نے لڈل ہارٹ کے نظریے سے 'دشمن کی آزادنہ حرکت کو محدود کرنے' کا تصور لیااور اسے وسعت دیتے ہوئے موہان کے 'سمندروں پر قبضے کے نظریے' کے ساتھ ملا دیا، جس سے پورے کرۂ ارض پر محیط ایک زیادہ جامع نظریہ وجود میں آیا۔اس نے یہ بھی واضح کیا کہ اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے تو ایٹمی جنگ کے امکانات کو کافی حدتک محدود کیا جاسکتا ہے۔

بیوفری نے اس نظریے کو'بالواسطہ' اس لیے کہاہے کہ اس میں فوجوں کی آپس میں لڑائی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق دشمن کے گرد تین حصار قائم کیے جاتے ہیں۔ان میں سے دو حصار دشمن کے علاقے سے باہر ہوتے ہیں، جبکہ تیسرا دشمن کے علاقے کے اندر ہوتا ہے اور وہ بھی صرف ضرورت کے وقت قائم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اصلاً دشمن کو بیرونی دو حصاروں کی مدد سے ہی شکست دی جاتی ہے۔

بیوفری کے نظریے کے اہم نکات

- بیوفری کے نظریے کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ پیش بندی (pre-emptive) طریقۂ جنگ اپنانے کا داعی ہے۔یعنی وہ خطرہ کھڑا ہونے سے قبل ہی اس کا سدِباب کرنے کی راہ تجویز کرتا ہے۔
- بیوفری کے مطابق اگر دیگر ممالک کے گرد حصار قائم کرکے ان کی کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کردیا جائے تو دنیا میں بڑی قوتوں کو کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔
- دوسروں کی کام کی صلاحیت کو محدود کرنے سے بڑی طاقتیں محدود پیمانے کی مادی قوت کو محدود جغرافیائی خطے میں استعمال کرتے ہوئے اپنے وسیع اہداف حاصل کرسکیں گی۔

بیوفری کے نظریے کی تطبیق

بیوفری اپنے نظریے کی تطبیق بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے جس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ وہ کہتا ہے کہ سب سے پہلے دنیا میں عسکری رعب قائم کرنے والی ایک قوت ہونی چاہیے جو ہر وقت دشمن پر نفسیاتی دباؤ ڈالے رہے۔ یہ قوت ایٹمی اور روایتی دونوں طرح کے ہتھیاروں کی حامل ہونی چاہیے۔ اسے وہ Military Deterrence Force یا **'عسکری رعب قائم رکھنے والی قوت'** کہتا ہے۔ اس قوت کا کام دشمن پر دہشت قائم رکھتے ہوئے اسے اپنے خلاف کسی قسم کا بھی اقدام کرنے سے روکنا ہے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب دشمن کو یہ دکھائی دے کہ اگر اس نے حالتِ امن سے نکل کر کوئی بھی قدم اٹھایا تو اس کے عواقب بہت خطرناک ہوں گے اور جواب میں اسے کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ جدید عالمی نظام میں اس قوت کو تشکیل دینے کے لیے امریکہ نے اپنی افواج کے ساتھ نیٹو اور اقوامِ متحدہ کی افواج کو ملایا ہے اور ان تینوں کے اشتراک سے قائم کردہ حصار آج پوری دنیا پر محیط ہے۔

اس قوت کا ہدف دشمن کے ''کام کرنے کی صلاحیت'' کو اس طرح محدود کرنا ہے جیسے ''بونوں'' نے ''گلیور'' کو باندھ دیا تھا۔ بونوں اور گلیور کی حقیقت مغربی ثقافت میں بچوں کی ایک خیالی کہانی ہے جس میں گلیور نامی شخص ایک جزیرے میں جاتا ہے جہاں کے باشندے اس کی انگوٹھے سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ جب وہ تھک ہار کر سوجاتا ہے تو یہ بونے باریک رسیوں کے ذریعے اس کے جسم کے تمام حصوں کو باندھ کر اسے زمین سے ٹھونک دیتے ہیں۔ جب گلیور جاگتا ہے تو جسمانی طور پر صحیح سالم اور بونوں سے کہیں گنا زیادہ قوی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حرکت کرنے سے قاصر پاتا ہے۔ عین اسی طرح عسکری رعب قائم رکھنے والی عالمی قوت کے ذریعے دشمن کے گرد ایک بیرونی حصار بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے دشمن کی کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ یہ حصار زیادہ تر موہان کے 'سمندروں پر قبضے کے نظریے' کے ذریعے بنتا ہے۔

۲۔ اس خارجی عسکری حصار کے اندر ایک اور غیر عسکری (معنوی) حصار قائم کیا جاتا ہے۔ اس حصار سے مقصود وہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی ذرائع ہیں جن کے ذریعے دشمن کے ارادۂ

جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگرچہ حصار غیر عسکری ہے مگر اس کا مقصد عسکری ہوتا ہے۔یہ حصار ہر قوم کے لیے علیحدہ علیحدہ ترتیب دیا جاتا ہے۔اسے قائم کرنے میں اقوامِ متحدہ اور اس کے ذیلی ادارے، این جی اوز، پرائیویٹ کمپنیاں،ذرائع ابلاغ اور خفیہ ادارے وغیرہ مدد دیتے ہیں۔

اس حصار میں ذرائع ابلاغ کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔بیوفری کہتا ہے کہ اگر خارجی عسکری حصار کے ساتھ ساتھ اس داخلی حصار کی سطح پر عالمی و مقامی ذرائع ابلاغ کے ذریعے دشمن کے نظریات کو باطل اور غلط تسلیم کروالیا جائے، تو دشمن کے لڑنے کا عزم اس حد تک کمزور پڑ جائے گا کہ وہ لڑنے کے متعلق سوچے گا بھی نہیں۔

۳۔ ان دونوں حصاروں کی موجودگی کے باوجود بھی اگر دشمن عملاً کوئی جنگ چھیڑ دیتا ہے تو اس جنگ کا دائرہ ایک مخصوص علاقے تک محدود رکھتے ہوئے، محدود پیمانے ہی پر جنگ (limited war) لڑی جائے گی۔ اس عملی جنگ کے مقابلے کے لیے اور اسے محدود رکھنے کے لیے ایک تیسرا حصار ہوتا ہے، جو بنیادی طور پر ایک عسکری حصار ہے۔اس کا دائرہ دشمن کا ملک یا ملک کا کوئی حصہ ہوتا ہے۔ یہ جنگ 'چالبازی کے طریقۂ جنگ' سے لڑی جاتی ہے جس میں تین اہم عناصر کا استعمال ہوشیاری سے کیا جاتا ہے: مادی قوت، نفسیاتی قوت اور وقت۔ اگر بالاتر مادی قوت میسر ہو تو نفسیاتی حربوں کی خاص ضرورت باقی نہیں رہتی اور دشمن کو کم سے کم وقت میں مادی قوت سے ہی شکست دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر مادی قوت کم ہو تو مادی اور نفسیاتی قوتوں کو برابر استعمال کرتے ہوئے دشمن کو شکست دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ داخلی چالبازی کے لیے بیوفری نے دو طریقے تجویز کیے ہیں:

- پہلا طریقہ Piecemeal maneuver کہلاتا ہے، یعنی 'جز در جز ہڑپ کرنے کی چالبازی'۔ اس میں 'چالبازی کے طریقۂ جنگ' کی تمام چالوں کو حسبِ ضرورت استعمال کرکے دشمن کو بتدریج شکست دی جاتی ہے۔ ٹکڑوں میں، بتدریج فتح حاصل کرنے پر بیوفری اس لیے زور دیتا ہے کہ جنگ کو اپنے قابو میں رکھا جاسکے اور وہ مخصوص جغرافیائی علاقے سے نکل کر کہیں بین الاقوامی جنگ نہ بن جائے۔

- قوت کم ہونے کی صورت میں وہ کہتا ہے کہ ماؤ زے تنگ کے گوریلا جنگ کے نظریے کو اپنانا چاہیے۔یعنی دشمن کے خلاف خود اسی کی سرزمین سے ایک ایسی مقامی گوریلا قوت کو کھڑا کیا جائے جو جنگ میں ہماری ہمنوا ہو۔یوں دشمن کے گرد اس مقامی قوت کے ذریعے گھیرا ڈالا جائے اور ساتھ ساتھ ہر سطح پر نفسیاتی حربوں کا استعمال جاری رہے۔

تین حصار

بیوفری کے نظریے پر عمل کرتے ہوئے دشمن کے گرد تین حصار بن جاتے ہیں اور اس کے آزادنہ کام کرنے کی صلاحیت اتنی محدود ہوجاتی ہیں کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔بیوفری کے نزدیک اصل جنگ بیرونی دو حصاروں میں لڑی جاتی ہے، جبکہ تیسرے دائرے کو صرف بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہی استعمال کیا جاناچاہیے۔

بیوفری کے مطابق اگر مغربی قوتیں درج ذیل تین عوامل کو قائم رکھیں تو بالواسطہ حکمتِ عملی کا توڑ کرنا ناممکن بات ہے:

- پہلا یہ کہ مغربی تہذیب کی فوقیت اور برتری کا اتنا پرچار کیا جائے کہ تمام دنیا والے یہ یقین کرلیں کہ مغربی نظام کے بغیر یہ دنیا چل ہی نہیں سکتی۔ پھر فوقیت اور برتری کے اس تاثر کو اگلی نسلوں میں منتقل کرنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے۔
- دوسرا یہ کہ دشمن کی طرف سے آنے والے تمام ممکنہ خطرات کو بتدریج نشانہ بنا کر ختم کیا جائے۔
- تیسرا یہ کہ بیرونی رعب قائم رکھنے والی قوت کو مل جل کر انتہائی مضبوط بنایا جائے۔یعنی امریکی افواج کے ساتھ نیٹو اور اقوامِ متحدہ کی افواج بھی مل کر کام کریں، اور ان کے علاوہ بھی ایک مشترکہ عالمی تنظیم بنائی جائے۔

اس طرح اس حکمتِ عملی کو شکست دینا بیوفری کے نزدیک ناممکنات میں سے ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس حکمتِ عملی کے ذریعے تمام دنیا پر اور بالخصوص مسلمانوں پر ___جن کی مثال وہ جگہ جگہ دیتا ہے___ اس قدر رعب طاری ہو جائے گا کہ کوئی

قابلِ ذکر قوت مغرب کے مقابلے میں سر نہیں اٹھا سکے گی، نہ ہی اس بارے میں سوچنے کی جرأت کرے گی۔

خلاصہء کلام

جدید عسکریت کے ان نظریات کا مطالعہ کرنے سے ہمیں اپنے دشمن کی بنیادی حکمتِ عملی سمجھنے اور اس کے مقابلے کے لیے حکمتِ عملی ترتیب دینے میں مدد ملتی ہے۔ مغرب نے اپنے سابقہ تجربات سے سیکھتے ہوئے دنیا پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے ایک ایسا طریقہء جنگ تشکیل دیا ہے جس میں دشمن سے براہِ راست جنگ کی نوبت کم ہی پیش آتی ہے۔ اور اصل انحصار ان عسکری و نفسیاتی خارجی حصاروں پر ہوتا ہے جن کے سبب بیشتر لوگ مغرب سے ٹکرانے کا تصور ہی ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ یورپ و امریکا کی ظاہری برتری، عالمِ اسباب میں، انہی حصاروں پر قائم ہے۔ الحمدللہ گیارہ ستمبر سمیت امریکہ و یورپ کے خلاف مجاہدین کی تمام عالمی ضربوں نے امت کو دشمن کا معنوی و نفسیاتی حصار توڑ کر اسے للکارنے کا حوصلہ دیا ہے۔ پھر عراق، افغانستان، یمن، الجزائر اور صومالیہ کے جہاد نے مغرب کی "محدود جنگ" (Limited War) کے نظریے پر کاری وار کیا ہے اور اسے مختلف محاذوں پر ایک طویل اور مشکل جنگ میں پھنسا دیا ہے؛ اور یہ عین وہی چیز ہے جس سے مغرب بچنا چاہتا تھا۔ پس اب اللہ پر توکل کرتے ہوئے، اس جنگ کو عسکری و دعوتی دونوں محاذوں پر جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ:

- مغرب کے خارجی سمندری حصار کو نشانہ بنانے کی ترکیبیں سوچی جائیں تاکہ خشکی کے بعد سمندر پر بھی اس کی ظاہری عسکری برتری دم توڑ جائے، اور
- مغرب کی معاشی بالادستی سے نجات پانے، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی غلامی سے نکلنے اور سود سے پاک اور سرمایہ دارانہ نظام سے بالکل جدا، شرعی اقتصادی نظام وضع کرنے کے لیے عملی اقدامات اٹھائے جائیں۔

___ تاکہ دنیا بھر سے مغرب کی عسکری، معاشی، سیاسی و نفسیاتی گرفت ٹوٹ جائے اور جس شکست کو مغربی مفکرین ناممکن سمجھتے تھے، وہ ایک زندہ حقیقت بن کر ان کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ یقیناً اللہ کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ میں
حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا کردار

محمد مثنی حسان

اس شمارے میں ہم اپنے قارئین کے سامنے حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ پیش کر رہے ہیں جنھوں نے قرنِ اول کی دیگر خواتینِ اسلام کی طرح دفاعِ دین وامت کی خاطر اپنے آپ کو پیش کیا اور فریضۂ جہاد کی ادائیگی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ہمارے اس مضمون کی غایت آپ کی مکمل سیرت بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ یہاں ہم صرف وہ واقعات ذکر کریں گے جن کا تعلق جہاد فی سبیل اللہ میں آپؓ کے کردار سے ہے۔ (صاحبِ تحریر)

تعارف

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی، سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اور حواریٔ رسول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ آپ نے عہدِ فاروقی میں سن ۲۰ ہجری میں وفات پائی اور اس وقت آپ کی عمر تہتر سال تھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ کے دوسرے بیٹے حضرت سائب بن عوام رضی اللہ عنہ تھے جو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھ احد وخندق سمیت تمام جنگوں میں شریک رہے اور عہدِ صدیقی، سن ۱۲ھ میں یمامہ کے دن شہید ہوئے۔

غزوۂ احد میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کردار

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا جہاد پر تحریض دینا اور بھاگنے والوں کو ملامت کرنا:

روایات میں آتا ہے کہ جب غزوۂ احد کے دن مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ دشمن کے سامنے سے پسپا ہونے لگے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میدانِ جنگ میں آگے بڑھیں اور آپ کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے آپ پسپا ہونے والے مسلمانوں کے چہروں پر خنجر مارتیں اور انھیں غیرت دلانے کے لیے کہتی جاتیں کہ:

''انھزمتم عن رسول اللّٰه''۔

'' (شرم کرو کہ) تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ بھاگ کھڑے ہوئے ہو''۔

غور کیجیے کہ ایسے نازک لمحات میں جب مسلمان مردوں کے پاؤں تک اکھڑ گئے تھے، یہ خاتونِ اسلام ثابت قدم رہیں اور مسلمانوں کو غیرت دلاتی رہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے دفاع کے لیے ڈٹ جاؤ اور پیٹھ پھیر کر مت بھاگو۔ آج بھی امت کو ایسی ماؤں بہنوں کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو کفار کے مقابلے کے لیے ابھاریں، انھیں جہاد پر تحریض دیں اور پیٹھ پھیرنے یا بیٹھ رہنے سے باز رکھیں۔

احد کے روز اپنے بھائی کی شہادت پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا صبر کرنا:

پھر جب احد کا معرکہ ختم ہوا اور مسلمانوں نے اپنے شہداء کو جمع کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا لاشہ اس حال میں ملا کہ ان کا بری طرح مثلہ کیا گیا تھا اور پیٹ چیر کر کلیجہ تک نکال لیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدید غمگین ہوئے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کو دیکھنے کے لیے بڑھتی چلی آرہی ہیں تو آپؐ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کہا:

" عليک المرأة "۔

"اپنی والدہ کو سنبھالو (اور انھیں یہاں نہ آنے دو)"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کو اس حال میں دیکھ کر پریشان نہ ہو جائیں۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو روکنے کی کوشش کی تو آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں:

"ولِمَ، فقد بلغني أنه مثّل بأخي، وذاك في الله، فما أرضانا بما كان من ذلك، لأصبرنَّ ولأحتسبنّ إن شاء الله"۔

"(مجھے) کیوں (روک رہے ہو)، مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہے اور یہ تو اللہ کی راہ میں ہے اور اس میں ہماری مرضی کو کوئی دخل نہیں۔ میں ان شاء اللہ ضرور صبر کروں گی اور اللہ سے اجر کی امید رکھوں گی"۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنے دیا۔ آپ تشریف لائیں، اپنے بھائی کو دیکھا، ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی اور کامل صبر سے کام لیا۔

غزوۂ احزاب میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کردار

شوال ۵ھ میں جب مشرکینِ مکہ دیگر قبائلِ عرب کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مرکز مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو یہ مسلمانوں کے لیے انتہائی نازک مرحلہ تھا۔ مسلمان مدینہ کی تین جوانب سے مشرکین کے گھیرے میں تھے، مزید یہ کہ مدینہ کے اندر یہودِ بنی قریظہ نے بھی عہد شکنی کر دی تھی۔ ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو گھروں سے نکلنے کا حکم دے رکھا تھا اور مسلمانوں کی خواتین کو مدینے کے عقب میں واقع "فارع" نامی قلعے میں بھیج دیا تھا۔ اس قلعے کی ذمہ داری حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور وہ اس قلعے میں واحد مرد تھے۔

یہودِ بنی قریظہ کی عہد شکنی کی وجہ سے فارع کا قلعہ غیر محفوظ ہو گیا تھا، کیونکہ یہ قلعہ بنی قریظہ کی بستی کے قریب اور مسلمانوں کے لشکر کی پشت پہ، کچھ فاصلے پر واقع تھا۔ قلعے پر یہودی حملے کی صورت میں مسلمان بیرونی دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے اس جانب متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہود کا ایک گروہ اس قلعے کی جاسوسی کے لیے آیا تاکہ معلوم

کر سکے کہ یہاں مسلمان خواتین تنہا ہیں یا ان کی حفاظت کے لیے کچھ مرد حضرات بھی موجود ہیں۔ یہودیوں کو خدشہ تھا کہ اگر اس قلعے میں مرد موجود ہوئے تو اس صورت میں حملہ نقصان دہ ثابت ہو گا۔ چنانچہ جاسوسی کرنے والا ایک یہودی جب اس قلعے کے قریب آیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

" یا حسان! إن هذا اليهودي كما ترى يطيف بالحصن، وإني والله ما آمنه أن يدل على عورتنا من وراءنا من يهود، وقد شغل رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه فأنزل إليه فاقتله "۔

"اے حسان! یہ یہودی ہمارے قلعے کے گرد چکر لگا رہا ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ یہ ہماری بابت دوسرے یہودیوں کو بتا دے گا (کہ ہم خواتین یہاں تنہا ہیں) جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مصروف ہیں۔ لہٰذا جاؤ اور اس یہودی کو قتل کر دو"۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

" لو كان ذاك فيّ لكنت مع رسول الله "۔

"اگر مجھ میں یہ صلاحیت ہوتی تو میں اس وقت (یہاں نہ ہوتا بلکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جنگ میں شریک) ہوتا"۔

یہ سن کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خود اٹھیں، قلعے کے دروازے پر آئیں اور لکڑی کا ستون اس زور سے یہودی کو مارا کہ وہ مر گیا۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

" قم فاطرح رأسه على اليهود "۔

"اٹھو اور اس یہودی کا سر (قلم کر کے) دوسرے یہویوں کی جانب پھینک دو (تاکہ انھیں یہ تاثر ملے کہ اس قلعے میں خواتین اکیلی نہیں ہیں بلکہ ان کی حفاظت کے لیے مرد بھی موجود ہیں)"۔

اس کے جواب میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

" والله ما ذاك "۔

"واللہ! میں ایسا نہیں کر سکتا"۔

لہٰذا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ دوبارہ گئیں، اس یہودی کا سر قلم کیا اور پھر قلعے کے اوپر سے اس کے ساتھیوں کی جانب پھینک دیا جو قلعے کے نیچے موجود تھے۔ جب یہودیوں نے اپنے ساتھی کا سر دیکھا تو وہ کہنے لگے:

"قد علمنا أن هذا لم يكن ليترك أهله خلوفا ليس معهم أحد"۔

"ہمیں پتہ تھا کہ یہ لوگ ایسے نہیں کہ اپنی خواتین کو مردوں کے بغیر تنہا چھوڑ دیں"۔

یوں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اس کارنامے کے سبب مسلمان ایک بہت بڑی مصیبت سے بچ گئے اور یہودِ بنی قریظہ کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمان خواتین پر حملہ کریں۔

یہ واقعہ تاریخِ اسلام کے سنہری واقعات میں سے ایک ہے، جس میں صرف ایک خاتون کی بدولت امت بہت بڑے نقصان سے بچ گئی۔ یقیناً اس واقعے میں تمام مسلمانوں، خصوصاً خواتین کے لیے نصیحت ہے کہ جب دین وامت کو ان کی ضرورت ہو تو وہ جرأت وبہادری کا مظاہرہ کریں اور اپنا سب کچھ کھپانے پر تیار ہوں۔ اگر قرنِ اول کی خواتین ایسا کر سکتی ہیں تو آج کی مسلمان خواتین کیوں پیچھے رہیں، جبکہ آج بھی دین وامت کو ان کی ضرورت ہے اور کفارِ عالم چہار جانب سے حملہ آور ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمان مرد وخواتین کو دینی حمیت اور جرأت وبہادری عطا فرمائے، آمین!

مراجع ومصادر:

١. الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني رحمه الله؛ الجزء ٧۔
٢. الطبقات الكبرىٰ لابن سعد رحمه الله؛ الجزء ٨۔
٣. الإستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر رحمه الله؛ الجزء ١، والجزء ٢۔
٤. البداية والنهاية لابن كثير رحمه الله؛ الجزء ٤۔

سیرتِ شیخ سعید رحمہ اللہ........ایک رفیقِ جہاد کے مشاہدات

شیخ عطیۃ اللّٰہ حفظہ اللّٰہ/مترجم: محمد مثنی حسان

تنظیم القاعدہ بلادِ خراسان کے مسئولِ عام شیخ سعید (مصطفیٰ ابو یزید) رحمہ اللہ کی شہادت کے موقع پر آپ کے نائب، مجاہد عالمِ دین، شیخ عطیۃ اللہ (حفظہ اللہ) کی ایمان افروز تحریر جو آپؒ کی سیرت کے چند نمایاں گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ (مدیر)

ایسے صالحین کی زندگیوں کو ضبطِ تحریر میں لانا جو امتِ مسلمہ کے مردوں اور عورتوں کے لیے نمونۂ عمل ہوں اور ان کا تذکرہ امت کو اعمالِ صالحہ کی جانب ترغیب دلاتا ہو، یقیناً جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ ہے۔ جہاد باللسان وجہاد بالقلم اسی کا نام ہے کیونکہ یہ امت میں خیر وصلاح کے فروغ، فریضۂ "دعوت الی اللہ" کی انجام دہی اور رب تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کا باعث بنتا ہے۔
اسی لیے جب ادارۂ حطین کے بھائیوں نے اجر وثواب کی نیت لیے، مجھے شیخ مصطفیٰ ابو یزید رحمہ اللہ کی سیرت پر کچھ لکھنے کی دعوت دی تو میں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا، تاکہ میں بھی ان کے ساتھ اجر وثواب میں شریک ہو سکوں۔ میں اس کام کی انجام دہی میں رب تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔
معاصر صالحین کی سیرتوں کو ضبطِ تحریر میں لانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان کے مطالعے سے ہمیں انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک اسوے سے قریب ہونے کی عملی راہیں سجھائی دیتی ہیں اور ہمارے دلوں میں بھی یہ امید جڑ پکڑتی ہے کہ آج بھی ان اعلیٰ ہستیوں کی اتباع ایک ممکن امر ہے۔ اپنی زندگی کو سلفِ صالحین کے مبارک سانچوں میں ڈھالنے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ بس یہ بات ذہن میں جمالی جائے کہ وہ لوگ ہم سے بہت پہلے گزر گئے، ان کا کردار بھی جدا تھا (اور ان کا زمانہ

بھی اس زمانے سے الگ تھلگ ،) ان کے دور میں برکت تھی، انھیں رب تعالیٰ کی جانب سے خصوصی اسباب میسر تھے، اور ان کے کردار وسیرت کی رفعت وبلندی کا سبب خود آنحضرت ﷺ کی ان میں موجودگی تھی اور (بعد کے تابعین وتبع تابعین کو بھی) ان سے زمانی قربت میسر تھی۔ اگرچہ یہ سب عوامل فی نفسہ درست ہیں، لیکن اگر کسی کے ذہن میں بس یہی باتیں راسخ ہوں اور وہ سلف کی نیکوکاری وتقوے کا واحد سبب فقط انہی امور کو سمجھ لے تو یہ سوچ پست ہمتی کا باعث بنتی ہے۔ قربِ الٰہی اختیار کرنے کے لیے سلف نے عملاً جو مجاہدات کیے، خود کو سنت میں ڈھالنے کے لیے جو مشقت اٹھائی اس سے صرفِ نظر کرنا آج کے انسان کو ان مثالی نمونوں کی اقتداء وپیروی سے روک دیتا ہے اور یہ تصور پختہ کر دیتا ہے کہ عصرِ حاضر میں سلف سے مشابہ پاکیزہ سیرتیں وجود میں آنا ناممکن ہے۔ اس کے برعکس معاصرین کے اسوے تو زندہ وجاوید تصویریں ہوتی ہیں جنھیں مذکورہ بالا پردوں میں چھپایا نہیں جاسکتا اور ان کی سیرتوں کا تذکرہ عمل پر ابھارنے کا باعث بنتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت بھی خاطر نشیں رہے کہ سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ اور سیر صحابہؓ ہر دور کے انسانوں کے لیے بطورِ نمونہ کافی وشافی ہیں، اور اصلاً تو ان کے بعد کسی اور نمونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (صاحبِ تحریر)

شیخ سعید رحمہ اللہ کی نصف زندگی ہجرت وجہاد کی راہوں میں بسر ہوئی، جس میں انھوں نے مجاہدینِ امت کے سفر جہاد کو مختلف نشیب وفراز سے گزرتے دیکھا۔ شیخ سعید رحمہ اللہ نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپ عنفوانِ شباب ہی سے بہت رقیق القلب واقع ہوئے تھے، دل ہر لمحہ مسجد میں اٹکا رہتا اور آپ شریعت کی حاکمیت دیکھنے کے لیے بے قرار اور احیائے خلافت کے لیے بے چین رہتے۔ اسی تڑپ نے آپ کو راہِ جہاد اختیار کرنے پر مجبور کیا اور جلد ہی آپ کی زندگی میں وہ موڑ بھی آگیا جب جماعۃ الجہاد مصر کا رکن ہونے کے سبب آپ کو انور سادات کے قتل میں شرکت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ کچھ ہی عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے آپ کو رہائی عطا فرمائی اور آپ مصر کے ان دگرگوں حالات کو دیکھتے ہوئے وطن چھوڑ کر نکل آئے، حجاز پہنچ کر حج وعمرہ کے فرائض سرانجام دیے اور اپنے اگلے سفر کے انتظام وانصرام کی غرض سے وہیں کچھ عرصہ انتظار میں گزارا۔ اس کے بعد آپؒ تبلیغی جماعت کے ہمراہ بنگلادیش پہنچے، جہاں سے آگے آپ نے اپنی منزل افغانستان کا رخ کیا اور ۱۹۸۶ء میں سرزمینِ افغانستان میں قدم رکھا۔ یوں آپؒ اپنے سفر کی مختلف گھاٹیاں طے کرتے کرتے بالآخر اپنی منزل کو جا پہنچے۔ آپ اپنی داستانِ زندگی کے یہ لطیف واقعات اپنے آخری ایام تک ہمیں سناتے رہے اور آپ کو بھی یقین نہ آتا تھا کہ آپ کس طرح ان تمام حالات سے خیریت سے گزر آئے۔

پس یقیناً آپ کی سیرت میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں، شاید آپ کی صفات و واقعات کا تذکرہ ہمیں ان اسرار میں سے بعض کا ادراک کرا سکے۔

آپ کے اخلاق میں سے پہلی چیز جو ہر ملنے والے کو متاثر کرتی تھی، وہ آپ کے دل کی نرمی تھی ــــــ جو آپ کے چہرے کی بشاشت، خندہ پیشانی، شگفتگیٔ کلام، کشادگیٔ داماں، سماحت، شرم وحیا، تواضع وانکساری، تمام مسلمانوں کے لیے محبت اور کمزوروں و مساکین کے لیے قربت جیسے مظاہر کی صورت میں واضح طور پر جھلکتی تھی۔ پس اسی صفت کی بدولت جو شخص بھی آپ سے پہلی مرتبہ متعارف ہوتا تو اسے آپ سے محبت وانس کا رشتہ قائم کرنے اور خود کو آپ کے دوستوں کی فہرست میں شامل کرنے کے لیے زیادہ محنت اور طویل مدت درکار نہ ہوتی ــــــ بلکہ وہ چند ہی لمحات میں یوں محسوس کرنے لگتا گویا وہ آپ کو مدتِ دراز سے جانتا و پہچانتا ہے۔

اجتماعی زندگی کے مشاغل، باہمی انس وملاطفت اور دوستوں ساتھیوں سے میل ملاپ، آپ کو اپنے روزمرہ معمولات ــــــ قیام اللیل، تلاوتِ قرآن، پابندیٔ اذکار، نمازوں کے بعد درس وتذکیر کے ذریعے فریضہ ءدعوت کی ادائیگی وغیرہ ــــــ سے دور نہ کرپاتا تھا۔ آپ کی شخصیت اللہ تعالیٰ کی جانب بلانے والے داعی کی شخصیت تھی اور یہ داعیانہ خو آپ کی طبیعت کی گہرائیوں میں پیوست نظر آتی تھی۔ آپ مرکز، مسجد یا ضیافت گاہ جہاں بھی ہوں، اپنے مجاہد بھائیوں کے ساتھ مطالعہ ءکتاب کی محفل منعقد کرنا پسند فرماتے تھے اور اگر آپ خود ایسا نہ کرپاتے تو کسی اور بھائی کی ہمت بڑھاتے اور اسے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے۔ آپ فی الجملہ ایک ایسے داعی اور معلم تھے جو زندگی بھر تذکیر و یاددہانی کے کام سے منسلک رہے۔ اسی شدید روحانی میلان کی وجہ سے آپ تبلیغی جماعت کو پسند فرماتے تھے اور ان کی غلطیوں اور ان پر کی جانے والی تنقید کو جانتے ہوئے بھی ان کے اخلاص، ان کی داعیانہ صفات اور ان کی پاکیزہ دینی مجالس کے سبب ان کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔ آپؒ نے ایک مرتبہ خود مجھ سے کہا کہ آپ تبلیغی جماعت کی ان خصوصیات کے سبب ان کو پسند کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جہادِ روس کے ایام میں آپ کبھی کبھار تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں شرکت کے لیے افغانستان سے سفر کر کے پنجاب جاتے اور ان کی مجالس میں وقت گزارتے۔ درحقیقت تبلیغ کے کام کی سمت آپ کی یہ رغبت آپ کے دل میں موجزن اس داعیانہ تڑپ کا نتیجہ تھی جس کے سبب آپ نے یہ پختہ عزم کر رکھا تھا کہ آپ جہاد کے ساتھ بھی اس فریضے کو نبھاتے

رہیں گے۔ ہم تو بعض اوقات خلوت میں بیٹھے ہوئے (بطور مذاق) انھیں 'تبلیغی' کہہ کر پکارتے تھے، بلکہ بعض مراحل میں تو ہم نے خفیہ پیغام رسانی میں بھی آپ کے نام کی جگہ اس لقب کو استعمال کیا۔

جس کسی کو بھی شیخ سعید رحمہ اللہ کے ساتھ رہنے اور انھیں قریب سے جاننے کا موقع ملا تو اس نے ان میں دیگر کئی اخلاق اور فضائل بھی موجود پائے اور ان میں موجود خیر و بھلائی کے کتنے ہی روشن پہلو اس پر عیاں ہوئے۔ مذکورہ بالا اخلاق کے علاوہ ان میں موجود خصوصی صفات اور فضائل یہ تھے: صفائے قلب، حسنِ ظن، تدبر، بردباری، تواضع، قوتِ صبر، فراخیٔ نفس، شجاعت و بہادری، عالی ہمتی، یقین، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور دینداری و تقویٰ۔

شیخ سعید رحمہ اللہ کبھی کسی مسلمان سے کینہ و حقد نہ رکھتے تھے۔ آپ کی آخری عمر میں ____ جب افغانستان میں صلیبی جنگ کا آغاز ہوا اور آپ کے کندھوں پر مسئولیت کا بھاری بوجھ ڈالا گیا ____ آپ کو بعض مرتبہ جھگڑوں اور تلخیوں کا سامنا ہوا اور ایسے تنازعات میں الجھنا پڑا جنھیں آپ ناپسند کرتے تھے۔ آپ کا نفس ان سے تنگ پڑتا اور آپ غمگین ہوتے، مگر اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی بھائی کے متعلق اپنے دل میں بغض و کینہ نہ رکھا۔ آپ کو لوگوں کی بدزبانی اور ناحق تہمتوں کی خبر پہنچتی تو آپ اللہ کے ذکر میں پناہ ڈھونڈتے اور اس پر غم وافسوس کا اظہار کرتے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اگر آپ کے سامنے اس گالی دینے والے شخص کا دوبارہ تذکرہ ہوتا تو آپ اس کی تعریف ہی بیان کرتے، اس کا ذکرِ خیر کرتے، اسے بھائی کہہ کر پکارتے، اس کے حق میں دعا کرتے، اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے اجر و ثواب طلب کرتے اور اس کے محاسن بیان کرتے، گویا کہ اس شخص نے کبھی آپ کو گالی دی ہی نہ ہو اور نہ ہی کوئی برائی بیان کی ہو۔ یہ دیکھ کر گمان ہونے لگتا تھا کہ شاید شیخ کو بھول ہوئی ہے اور اس شخص کا نام کسی دوسرے شخص سے خلط ملط ہوا ہے مگر ایسا نہ ہوتا تھا، بلکہ شیخ خود جان بوجھ کر ایسے امور کو بھلا دیتے تھے اور آپ کا حسنِ ظن، صفائے قلب، مسلمانوں کی قدر، مجاہدینِ فی سبیل اللہ کا احترام اور آپ کے دل میں موجود ایمان، ہجرت و جہاد کی تعظیم آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی تھی۔

ایک مرتبہ میدانِ جہاد میں موجود ایک بھائی نے آپ کو ایک انتہائی سخت خط لکھا جو سب و شتم اور بے جا تہمتوں پر مشتمل تھا تو آپ ____ اپنے حِلم اور وسعتِ نفس کے برعکس ____ غضب

ناک ہو گئے، یہاں تک کہ آپ نے شیخ ابو یحییٰ حفظہ اللہ سے بات کی کہ آپ اس بھائی کے ساتھ ہونے والے معاملے کو محکمہءشرعیہ (شرعی عدالت) کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ مگر کچھ ہی دن بعد جب آپ کے سامنے اس بھائی کا دوبارہ تذکرہ ہوا تو آپ اس کی تعریف کرنے لگے اور کہنے لگے کہ وہ بہت ہی اچھا بھائی ہے، اور آپ نے اس کی غلطی سے درگزر کر دیا۔

میں نے جب کبھی شیخ سے ان تنازعات کے بارے میں پوچھا جو آپ کے اور کچھ دیگر بھائیوں کے درمیان ہوئے تھے تو آپ ان کی بابت اعتدال سے بات کرتے تھے؛ اور ان تنازعات کی تفصیل کو جہاں تک ممکن ہوتا، ان بھائیوں کی تعریف، ان سے درگزر اور ان کے بارے میں نرمی و شفقت کے جذبات پر ختم کرتے تھے۔

پھر جہاں تک معاملات میں غور و فکر، تدبر اور ٹھہراؤ کی بات ہے تو یہ صفات آپ کی فطرت میں شامل تھیں، آپ کے افعال میں اس کی جھلک نظر آتی تھی اور آپ کی سیرت اس کا عکس تھی۔ یہ صفات آپ کی طبیعت کا ایسا جزو بن چکی تھیں کہ جلد باز شخص آپ کے ساتھ صبر نہ کر پاتا اور زیادہ تیز طبع فرد آپ کی صحبت میں بے چین ہو جاتا۔ مگر درحقیقت یہ آپ کی محمود اور قابلِ مدح صفات تھیں، کیونکہ اخلاق و فضائل سمیت تمام اعمال میں اصل اعتبار خاتمے کا ہے ــــــ اور بالعموم آپ کے غور و فکر اور ٹھہراؤ کا انجام اچھا ہی نکلتا تھا؛ اور ہر اچھائی کی توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ ہمارے گمان کے مطابق شیخ سعید رحمہ اللہ انھی خوش بخت اہلِ توفیق میں سے تھے اور اللہ نیکوکاروں ہی کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ چنانچہ میں صاف دیکھتا تھا کہ آپ کے تحمل و بردباری اور کام میں وقتی تاخیر کے باوجود بالآخر آپ کے کام اس قدر تھوڑے وقت میں پایہ تکمیل کو پہنچ جاتے کہ مجھے تعجب ہونے لگتا۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا، اس سے آپ کی بردباری بھی جھلکتی ہے۔ اور جہاں تک صفتِ صبر کا تعلق ہے تو یقیناً آپ 'صابرین' میں سے تھے، ہم آپ کے بارے میں ایسا ہی گمان رکھتے ہیں۔ آپ کی شخصیت میں صبر کے مختلف پہلوؤں کا عکس نظر آتا تھا۔ طاعتِ الٰہی پر قائم رہنے میں صبر اور رب کی معصیت سے بچے رہنے پر صبر۔ پس آپ ہجرت و جہاد کی راہوں کی تمام مشکلات پر صابر و شاکر رہے اور استقامت کو لازم پکڑا۔ آپ تکالیف پر صبر کرتے تھے، تھوڑے پر بھی گزارا کرتے تھے،

مسلمانوں اور مجاہدین کے دگرگوں حالات کی درستگی کے لیے سرگرمِ عمل رہتے تھے۔ صبر تو آپ کی شخصیت کا حقیقی شعار تھا اور آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا رہتے تھے، کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ (البقرة: 153)

"اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو"۔

آپ اکثر اس آیت کو پڑھتے تھے اور اپنی نصیحتوں میں اس آیت کو شامل رکھتے تھے۔ آپ مشکلات میں نماز کی طرف رجوع کرتے اور تہجد کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ آپ نفل روزے بھی رکھتے تھے۔ میں نے آپ کو مسلسل روزے رکھتے تو نہیں دیکھا، البتہ آپ کثرت سے علیحدہ علیحدہ روزے رکھا کرتے تھے۔

آپ کی شخصیت میں صفتِ صبر کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ آپ صبر کرنے والوں کو پسند کرتے تھے اور انسان کی اچھائی ماپنے کے لیے اس کے صبر کو معیار جانتے تھے۔ آپ جب کبھی کسی انسان کی تعریف کرتے تو اس تعریف کے پیچھے لازماً اس شخص میں پائے جانے والی صبر اور دینداری وعبادت گزاری کی صفات ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ بھائی ابو اسلام مصری کی شہادت کے بعد ____ جو اپنے صبر، حلم اور نرمی کی وجہ سے معروف تھے ____ میں نے ان کی سیرت کا تذکرہ آپؒ کے سامنے کیا، اور میں آپؒ سے کہنے لگا: میرا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ابو اسلام سے کہیں گے کہ "ہم نے تجھے صابر پایا"، تو یہ سن کر آپؒ بہت متاثر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا بندھن بھی ایک صابرہ خاتون سے باندھا تھا، جنھوں نے راہِ خدا میں صبر کرنے میں آپ کی بھرپور اعانت کی۔ اور آپ کی ایک بیٹی معذور بھی تھی جو جہادِ اول کے بعد سوڈان میں پیدا ہوئی تھی۔ اسے بچپن ہی سے خون کی بیماری تھی جو بعد میں بڑھتی گئی، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ معذور ہو گئی۔ دس سال کی عمر میں بھی وہ ایسی تھی جیسے چند ماہ کی بچی ہو؛ نہ وہ بیٹھ سکتی تھی، نہ کھڑی ہو سکتی، نہ چل اور نہ بول سکتی تھی۔ فقط وہ اپنے ماں باپ کی جانب مسکرا کر دیکھتی تھی اور وہ دونوں اس کی خدمت کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت وبرکت کی امید رکھتے تھے۔ دونوں میاں بیوی ایک دن کے لیے بھی اس سے اکتائے نہیں۔ آپ کی اہلیہ صبر کے ساتھ اپنی بیٹی سے راضی رہیں، یہاں تک کہ وہ اسی بیماری کی وجہ سے چند ماہ کے فرق سے اسی سال فوت ہو گئی جس

سال والدین اور اس کی دوسری بہنیں بھی شہادت سے سرفراز ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب رحم فرمائے، آمین!

ان صفات کے علاوہ جہاں تک شجاعت و بہادری کا تعلق ہے تو میں نے کئی مواقع پر ان کے دل کی بہادری کا مشاہدہ کیا ہے جو مشکل ترین حالات میں استقلال، بلاخطر حق بات کہہ ڈالنے اور اس پر عمل کر گزرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی تھی۔ اور جہاں تک آپ کے تواضع، غریبوں محتاجوں سے محبت اور ان کا احترام کرنے کی بات ہے تو یہ خوبیاں تو آپ کی پہچان تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کی انصار اور عوام کے ساتھ والہانہ محبت معروف تھی اور ان سے آپ کا قرب کیا ہی خوب تھا۔

اسی طرح سخاوتِ نفسی اور عالی ہمتی بھی آپ کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ آپ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مصروف ہوں، عبادات و مجاہدے میں مشغول ہوں یا آپ کی عزتِ نفس وخودداری کا معاملہ ہو، ہر جگہ آپ عالی ترین شے پسند کرتے تھے اور نگاہ بلند اور مقاصد رفیع رکھتے تھے۔ اسی طرح علوم و معارف کا معاملہ ہو یا اعمالِ صالحہ کی بات ہو، ہر میدان میں آپ اپنی انتہائی کوشش صرف کرتے تھے۔ آپ عبادات کے اہتمام، راتوں کے قیام، تلاوتِ قرآن اور رمضان کی برکات سمیٹنے کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ بعض اوقات ہم کسی کام میں مصروف ہوتے یا سفر میں ہوتے اوراس وجہ سے ہماری رات کا اکثر حصہ بیداری میں گزر جاتا، تب بھی اگر اذانِ فجر کا وقت مثلاً ۵ بجے ہوتا تو آپؒ تمام تر تھکاوٹ اور کم خوابی کے باوجود ۴ بجے کا الارم لگاتے تاکہ اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کریں اور رات کے آخری پہر میں وتر ادا کریں۔ ہم نے آپ کو ہمیشہ ایسا ہی دیکھا کہ آپ اعمالِ صالحہ کی انجام دہی اور بھلائی کے حصول کے لیے اپنی جان کو گھلا دینے والے تھے۔

نیز آپ کی ایک نہایت ہی محمود صفت یہ تھی کہ آپ مسلمانوں کے مابین اتحاد کے شدت سے حریص تھے اور ان کے درمیان تفرقہ وتنازع آپ پر سخت گراں گزرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے افغانستان، پاکستان اور دیگر علاقوں میں مجاہدین کی صفوں کو ایک کرنے اور انھیں ایک پرچم تلے جمع کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوششیں صرف کیں اور اس کے لیے حالات کی سنگینی اور اپنی بیماری وغیرہ کی کچھ پرواہ نہ کی۔ یقیناً یہ آپ کا قابلِ ذکر کارنامہ تھا۔

وإذا كانت النفوس كبارا   تعبت في مرادها الأجسام

پس کہاں ہیں وہ نوجوانانِ اسلام جو اس مردِ حق کی اتباع کریں اور اس اتباع میں ایک دوسرے سے مسابقت کریں؟

شیخ سعیدؒ ایک دیندار اور متقی انسان تھے۔ نحسبه كذلك، والله حسيبه۔ آپ کامل یقین اور اللہ پر مکمل بھروسہ کرنے والے تھے، اپنے مال اور کھانے پینے وغیرہ میں زہد کا خاص خیال رکھتے تھے، اپنے کلام میں بہت محتاط تھے اور زبان کو آفتوں سے بچائے رکھتے تھے، غیبت کو ناپسند کرتے اور اس سے کوسوں دور رہتے تھے، ذکر و قرآن میں ہر دم مشغول رہتے اور جہادی مشاغل و انتظامی مصروفیات کے باوجود ہر حال میں عبادت سے حظِّ وافر اٹھاتے تھے۔ آپؒ دیگر بھائیوں کو بھی اسی بات کی تلقین کرتے تھے اور اس بات سے خوف دلاتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ انسان پر روزمرہ کے کام اس قدر حاوی ہو جائیں کہ وہ ذکر و تلاوتِ قرآن اور دیگر عبادات سے غافل ہو جائے۔ اسی طرح آپؒ نماز کا شدت سے اہتمام کرتے اور اس عبادت کی تعظیم کرتے تھے۔

اسی طرح میں نے ایک عجیب بات آپ میں یہ دیکھی کہ آپ بعض اوقات کچھ ایسے کام طے کر لیتے تھے جن سے میں متفق نہ ہوتا تھا، بلکہ بعض مرتبہ تو میری رائے آپ کی رائے کے بالکل خلاف ہوتی تھی اور میں آپ سے بحث بھی کرتا تھا؛ اور پھر کبھی میں یہ گمان کرتے ہوئے آپ کی رائے کے سامنے خاموش ہو جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی موافقت فرمائیں گے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ اکثر اوقات میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی موافقت فرمائی اور وہ کام میری سوچ اور استطاعت سے بڑھ کر درست ہوا، اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سایہ فگن ہوئی، تمام خامیاں پر ہو گئیں اور کام احسن طریقے سے مکمل ہو گئے۔ اس موقع پر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد قاضی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قصہ ذکر کروں گا جو خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے محدث، فقیہ و قاضی حفص بن غیاث رحمہ اللہ کے تذکرے میں لکھا ہے۔ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ جب حفص بن غیاث کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو امام ابو یوسفؒ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ اب دفتر (یعنی کتاب) کھولو اور اس میں حفص کے نادر فیصلے لکھو۔ مگر جب آپ کے اصحاب نے حفص بن غیاث کے فیصلے دیکھے تو انھیں وہ فیصلے پسند نہ آئے اور وہ کہنے لگے کہ اے ابو یوسف! وہ نادر فیصلے کہاں ہیں جنھیں لکھنے کا آپ کہہ رہے ہیں۔ جواب میں ابو یوسفؒ نے کہا: ان کے راتوں کو نماز

میں کھڑے رہنے نے ان کے یہ فیصلے درست کر دیئے! یعنی امام ابویوسفؒ کی مراد یہ تھی کہ اس قیام اللیل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حفص کے فیصلوں کی موافقت فرمائی۔ (تاریخِ بغداد)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ شیخ مصطفیٰ ابویزید پر رحم فرمائیں، اور انھیں شہداء وصالحین میں شامل فرمائیں، آمین!

حدود اللہ کی عظمت تو جانور بھی پہچانتے ہیں

قاری عبد الہادی

حافظ ابن عساکر اپنی کتاب ''تاریخِ دمشق'' میں ایک انوکھا اور سبق آموز واقعہ نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو عبد اللہ عمرو بن میمون الاَودِی رحمہ اللہ کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زہد و تقویٰ کے سبب معروف تھے۔ آپ کی وفات سن ۷۴ ہجری میں ہوئی۔ ایک دن کوفہ کی ایک مسجد میں لوگ آپ کے گرد اکٹھے تھے۔ مجلس میں موجود ایک شخص نے پوچھا کہ کہ دورِ جاہلیت میں آپ کے ساتھ سب سے عجیب واقعہ کیا پیش آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''دورِ جاہلیت میں میرے ساتھ سب سے عجیب معاملہ یہ پیش آیا کہ میں نے انسانوں کے سوا بھی کسی مخلوق کو رجم (سنگساری) کی سزا پر عمل کرتے دیکھا۔ معاملہ یوں ہوا کہ میرے گھر والوں نے مجھے کھجوروں کے باغ کی حفاظت پر مامور کر رکھا تھا تا کہ میں بندروں کو باغ خراب نہ کرنے دوں۔ ایک دن میں باغ میں ہی تھا کہ اچانک کچھ بندر نمودار ہوئے؛ کچھ درختوں پر چڑھ گئے اور کچھ آرام کرنے کے لیے باغ ہی میں اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اتنے میں ایک بندر اور بندریا آئے اور آرام کرنے کے لیے اکٹھے لیٹ گئے، بندریا نے بندر کے سر کے نیچے ہاتھ رکھا اور وہ اس پر سر رکھ کر گہری نیند سو گیا۔ اسے سوتا دیکھ کر، ایک اور بندر اس بندریا کے قریب آیا اور اسے چٹکی کاٹی۔ بندریا نے نہایت آہستگی سے پہلے بندر کے سر کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور دوسرے بندر کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں نے کچھ دور جا کر باہم مجامعت کی۔

میں یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر بندریا واپس پہلے بندر کے پاس لوٹی اور دوبارہ آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے سر کے نیچے گھسانا چاہا، لیکن اس کی آنکھ کھل گئی۔ بندر کو کچھ شک ہوا اور اس نے بندریا کو سونگھا، اور سونگھنے کے بعد زور زور سے چلاّنے لگا۔ اس کی آواز سن کر سب بندر جمع ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک ان کے درمیان یوں کھڑا ہوا گویا وہ کوئی خطبہ دے رہا ہو۔ پھر وہ سب اس بندر کی تلاش میں نکل پڑے جو بندریا کے پاس آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسے پکڑ کر لے آئے اور میں بھی اسے پہچان گیا۔ پھر سب بندروں نے مل کر ان دونوں کے لیے گڑھے کھودے اور انہیں سنگسار کر کے مار ڈالا''!

جبکہ دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں نے رجم کی سزا دیکھی، حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث بھی نہیں فرمایا تھا''۔

پس ہلاکت ہو جانوروں سے بھی بدتر ان انسانوں کے لیے؛ ان صحافیوں، کالم نگاروں اور 'حقوقِ انسانی' کے علمبرداروں کے لیے جو اس دینِ فطرت کی مقرر کردہ حدود پر معترض ہوتے ہیں، اور انہیں 'وحشیانہ سزائیں' اور 'دقیانوسی قوانین' قرار دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ بندر وہ جانور ہے جو اپنی شہوت پرستی کے سبب بدنام ہے۔ عربی زبان میں کسی شخص کی بدکرداری ظاہر کرنی ہو تو یہ مثال دی جاتی ہے کہ '' فلان أزنی من القرد''، یعنی یہ کہ فلاں تو بندر سے بھی زیادہ بدکار ہے۔ لیکن اس کے باوجود بندروں کے یہاں بھی کچھ فطری اخلاقیات پائی جاتی ہیں، جن کی مخالفت کرنے پر وہ بھی سخت سزا دیتے ہیں۔ پس اسلام کی مقرر کردہ حدود اور سزاؤں پر وہی انسان نما چوپائے معترض ہو سکتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ انسانی معاشرہ ہر قسم کے اخلاق و آداب سے عاری ہو جائے، کسی کی عزت و عفت کے لیے کوئی حرمت باقی نہ بچے اور وہ جانوروں کی طرح، یا شاید ان سے بھی بڑھ کر، جہاں چاہیں جیسے چاہیں اپنی شہوات پوری کرتے پھریں۔ یقیناً اسلام ایسی فاسد تہذیب (بد تہذیبی) کو ہر گز برداشت نہیں کرتا۔ اسلام تو عزتوں و عصمتوں کا محافظ ہے اور اولادِ آدم علیہ السلام کے شایانِ شان، اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے۔

اخبارِ ملاحم (میادینِ جہاد کی خبریں)

جمع وترتیب: حافظ صلاح الدین

امارتِ اسلامیہ افغانستان

(محرم الحرام ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۲ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

فدائی حملے	دھاوا	کمین	بارودی سرنگیں	میزائل حملے
۶۴	۱۰۹۷	۳۳۳	۱۳۵۲	۴۵۴

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

افغان فوجی	صلیبی فوجی
۲۷۸۸ ہلاک	۶۹۸۲ ہلاک

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

ٹینک، بکتر بند گاڑیاں	آئل ٹینکر، ٹرک	گاڑیاں
۱۳۳۸ تباہ	۴۶۵ تباہ	۱۰۴۹ تباہ

دشمن کی فضائیہ کا نقصان

جاسوس طیارے	ہیلی کاپٹر، طیارے
۱۹ تباہ	۳۴ تباہ

امارتِ اسلامیہ عراق

(محرم الحرام ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۲ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	کار بم دھماکے	میزائیل	کمین
۲۹۸	۴۲	۲۳۰	۱۳	۱۵	۲۶

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

امریکی	عراقی فوجی	عراقی پولیس	حکومتی عہدیداران	جیش الدجال
۳۷ ہلاک، ۳۹ زخمی	۱۷۵ ہلاک، ۲۱۷ زخمی	۲۰۴ ہلاک، ۲۴۱ زخمی	۱۱۴ ہلاک، ۴۶ زخمی	۵۳ ہلاک، ۴۹ زخمی
قوۃ الصحوۃ	خفیہ اہلکار	سپیشل فورسز	ماہرینِ بارود	جاسوس
۱۳۷ ہلاک، ۸۹ زخمی	۵۳ ہلاک، ۱۶ زخمی	۳۳ ہلاک، ۱۹ زخمی	۶ ہلاک	۱۵ ہلاک

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

پولیس گاڑیاں	رسد و کمک	صلیبی بکتر بند	سرکاری گاڑیاں	عراقی فوجی گاڑیاں
۴۸تباہ، ۲۲ناکارہ	۹تباہ	۷تباہ، ۵ناکارہ	۳۲تباہ، ۲ناکارہ	۳۹تباہ، ۲ناکارہ

امارتِ اسلامیہ قوقاز

(محرم الحرام ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۲ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

میزائیل حملے	دھاوا	شہیدی حملے	کمین	بارودی سرنگیں	کار بم دھماکے	ٹارگٹ کلنگ
۷	۲۴	۹	۱۱	۲	۱۱	۵۱

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

روسی فوج	حکومتی عہدیداران، روسی کفار	پولیس	ایف ایس بی	سیکیورٹی اہلکار
۳۸ ہلاک، ۴۹زخمی	۱۵۰ہلاک، ۳۶زخمی	۸۰ہلاک، ۶۵زخمی	۸ہلاک، ۱۳زخمی	۹۳ہلاک، ۶۲زخمی

مغربِ اسلامی (الجزائر)

(محرم الحرام ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۲ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	شہیدی حملے	دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	ھاون	کمین
۴۰	۴	۱۴	۵	۳۳	۱۵

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

الجزائری پولیس	الجزائری فوج	موریتانی فوج	جاسوس	فرانسیسی ونائیجیری فوج
۵۴ ہلاک، ۴۵ زخمی	۸۵ ہلاک، ۸۲ زخمی	۲۰ ہلاک	ا ہلاک	۲۲ ہلاک

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

الجزائری فوج کی گاڑیاں	موریتانی فوج کی گاڑیاں	رسد و کمک کے ٹرک
۱۲	۱۲	۳

جہاں مجاہدین نے ان کارروائیوں کی تفصیلات نشر کیں تو وہاں آخر میں یہ کہا کہ: ”ہم جب امتِ مسلمہ کو اس کے بیٹوں اور عقبہ بن نافع ویوسف بن تاشفین رحمہا اللہ کے جانشینوں کی طرف سے خوش خبریاں سناتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے مسلمان نوجوانوں کو اپنے مجاہد بھائیوں کی نصرت کی ترغیب دیں، اور ان سے دعاؤں کی درخواست کریں۔ اور ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ مجاہدین کی کاری ضربیں امریکہ کے غلاموں اور فرانس کے معاونوں کو نقصان پہنچاتی رہیں گی اور ہماری تلواریں ان خائنین کے خون سے ہمیشہ رنگین رہیں گی تاکہ دنیا والے جان لیں کہ جب تک دیارِ اسلام کا چپہ چپہ آزاد نہیں ہو جاتا اور جب تک کہ فتنہ ختم، اور اللہ کا دین غالب نہیں ہو جاتا، ہم اپنے گھروں کو ہرگز نہ لوٹیں گے۔ واللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر!“

انبیاء کی سرزمین ”فلسطین“

اسرائیلی مقبوضہ فلسطین میں جب ’حماس‘ نے اسرائیلی غاصبوں کے خلاف مزاحمت روک رکھی ہے تو ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے کچھ دیگر گروہوں کو کھڑا کر دیا ہے جو استطاعت بھر یہودِ اسرائیل کے خلاف جہاد کے فریضے کو ادا کر رہے ہیں اور انھیں واصلِ جہنم کر رہے ہیں۔ ان گروہوں میں جماعة التوحيد والجهاد، مأسدة المجاهدين في فلسطين اور أنصار

السنة أكناف بيت المقدس شامل ہیں۔ ان جماعتوں کی طرف سے کی گئی وہ چند کارروائیاں ذیل میں دی جارہی ہے جن کی تفصیلات ہم تک پہنچ پائی ہیں۔

- ۲۶ ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ: مجاہدین کے ایک گروہ نے 'کرمل' کے جنگلات میں بہت سا کچرا اکٹھا کیا اور پھر اس پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ ایک دوسرے گروہ نے جنگل میں جگہ جگہ پٹرول چھڑک ڈالا۔ یہ کرکے مجاہدین وہاں سے نکل آئے۔ پھر یہ ہوا کہ کچھ ہی دیر میں ہوا کی بدولت آگ پورے جنگل میں پھیل گئی اور اس نے قریبی دیہاتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس واقعے میں ۴۰ سے زائد یہودی مارے گئے اور ۱۵ ہزار کے قریب بے گھر ہوئے۔ املاک کا نقصان اس کے علاوہ ہوا جو ۱۲۰ ملین شیکل (اسرائیلی کرنسی) تک پہنچتا ہے۔ (مأسدة المجاہدین)
- ۲۲ محرم ۱۴۳۲ھ: مجاہدینِ اسلام نے 'حیفا' شہر سے 'تل ابیب' جانے والی ریل گاڑی کو نشانہ بنایا اور اسے جلا ڈالا۔ الحمدللہ اس کارروائی میں بے شمار یہودی واصلِ جہنم ہوئے۔ (مأسدة المجاہدین)
- ۶ صفر ۱۴۳۲ھ: شمالی 'غزہ' کے علاقے 'عسقلان' میں ایک اسرائیلی چوکی پر چار میزائل داغے گئے، جبکہ اسی روز مشرقی 'دیر البلح' میں 'العین الثلاثۃ' کی چوکی پر ۲ میزئل داغے گئے، مشرقی 'غزہ' میں 'سعد' پر ایک میزائل داغا گیا اور مشرقی 'خان یونس' میں 'حتساریم' اور 'نیریم' کی چوکیوں پر ۲ میزئل داغے گئے۔ (جماعة التوحيد والجہاد)
- ۱۳ صفر ۱۴۳۲ھ: مشرقی 'غزہ' میں مجاہدین نے 'نیر عوز' میں یہودی بستی کو میزائیل کے ذریعے نشانہ بنایا۔ (جماعة التوحيد والجہاد)
- ۱۶ صفر ۱۴۳۲ھ: 'غزہ' کے مشرق میں 'سیدیروٹ' کی چوکی پر ایک میزائل داغا گیا۔ اسی روز مجاہدین نے 'غزہ' کے شمالی علاقے میں 'عسقلان' کے پاور پلانٹ پر ایک میزائل داغا۔ (جماعة التوحيد والجہاد)
- ۱۷ صفر ۱۴۳۲ھ: مجاہدین نے 'غزہ' کے مشرقی علاقے میں 'کفار عزہ' کی چوکی پر ایک میزائل داغا۔ (جماعة التوحيد والجہاد)

- ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ: مجاہدین نے 'غزہ' کے مشرقی علاقے میں 'سید یروٹ' کی چوکی پر ۲ میزائل داغے۔ (جماعة التوحيد والجهاد)
- ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ: مجاہدین نے 'غزہ' کے شمالی علاقے میں 'زیکیم' کی چوکی پر میزائل کے ذریعے حملہ کیا۔ (جماعة التوحيد والجهاد)
- یکم رجب ۱۴۳۲ھ: مجاہدین نے 'رفح' کے مشرقی علاقے میں 'یتید' کی چوکی پر ایک میزائل داغا۔ (جماعة التوحيد والجهاد)

ہم حماس کے بھائیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ اسرائیل کے خلاف 'جہاد اور صرف جہاد' کے راستے کو اپنالیں، اور اس طرح 'شیخ احمد یاسین' اور 'عبد العزیز رنتیسی' رحمہااللہ والی حماس دوبارہ زندہ ہو جائے، آمین۔

ارضِ ہجرت ورباط "صومالیہ"

الحمدللہ صومالیہ کے بیشتر علاقوں میں حركة الشباب المجاہدین کو مکمل تمکین حاصل ہے، اور وہاں شریعت کی حاکمیت قائم ہو چکی ہے۔ حرکۃ الشباب نے ان علاقوں کو سات صوبوں کی شکل میں تقسیم کر رکھا ہے؛ بنادر الاسلامیہ، جوبا الاسلامیہ، شبیلیٰ الاسلامیہ، قیذو الاسلامیہ، ھیران الاسلامیہ، بای وبکول الاسلامیہ اور قلقدود الاسلامیہ۔ ان علاقوں میں جہاں کہیں شریف حسین کے کچھ سپاہی موجود ہیں تو ان بھی کا ایک ایک کر کے صفایا کیا جا رہا ہے۔ پچھلے عرصے میں شریف حسین کی فوج کے ۱۳ سپاہیوں نے خود کو مجاہدین کے حوالے کیا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اسی طرح ان علاقوں میں حدود اللہ کا نفاذ بھی عمل میں لایا جا رہا ہے۔ سابقہ ۴ ماہ میں حرکۃ الشباب نے ان علاقوں میں درج ذیل اہم سرگرمیاں سرانجام دیں:

۱۔ شبیلیٰ الاسلامیہ صوبے میں پولیس کا شعبہ قائم کیا گیا اور ان کی تربیت کے لیے دورہ جات کا اہتمام کیا گیا۔

۲۔ صوبوں کے قاضی حضرات کے لیے دورۂ قضاء کا اہتمام کیا گیا جو ۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ سے ۱۰ رجب ۱۴۳۲ھ تک جاری رہا۔ الحمدللہ اس میں مختلف صوبوں سے آئے ہوئے قاضی حضرات شامل تھے، اور یہ اپنی نوعیت کا چھٹا دورہ تھا۔

۳۔ صوبوں میں قائم شرعی عدالتوں میں لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کیا گیا اور مختلف مجرموں کو حدود و تعزیرات کے تحت سزائیں دی گئیں۔

۴۔ صوبہ ھیران الاسلامیہ میں شعبۂ دعوت کے تحت تاجر حضرات کے لیے شرعی دورہ منعقد کیا گیا۔

۵۔ صوبہ بای و بکول الاسلامیہ میں خواتین کے لیے شرعی دورے کا انعقاد کیا گیا۔

۶۔ شبیلیٰ الاسلامیہ کے والی شیخ ابو عبد اللہ نے صوبہ ھیران الاسلامیہ کا دورہ کیا اور وہاں کی مرکزی مسجد میں عوام المسلمین سے خطاب کیا، جس میں انھوں نے عراق، افغانستان اور پاکستان کے مجاہدین کے حالات کا تذکرہ کیا اور عرب دنیا میں اٹھنے والی عوامی تحریکوں پر بات کی۔

۷۔ صوبہ قلقدود الاسلامیہ کے منتظمین نے شہر 'عیل قرس' سے 'حین دیری' جانے والی مرکزی شاہراہ کی مرمت کا کام شروع کیا، تاکہ مسلمانوں کو سفر میں پیش آنے والی دشواریوں سے بچایا جاسکے۔

۸۔ صوبہ بنادر الاسلامیہ میں طلباء کے لیے مختصر دورے کا اہتمام کیا گیا جس میں علماء و داعی حضرات نے دروس دیے۔

۹۔ صوبہ شبیلیٰ الاسلامیہ میں شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا جس کا عنوان تھا: كلنا أسامة (ہم سب اسامہ ہیں)۔ اس جلسے میں حرکۃ الشباب کے قائدین، قبائلی عمائدین اور مختلف فنون کے ماہرین نے شرکت کی، جن میں سر فہرست شیخ ابو عبد الرحمان (والی صوبہ بنادر الاسلامیہ)، شیخ مختار ابو منصور، شیخ فواد محمد خلف، شیخ حسن طاہر ادریس اور شیخ ابو منصور الامریکی ہیں۔

۱۰۔ صوبہ بنادر الاسلامیہ میں حرکتہ الشباب کی قبیلہ 'مدلود' کے عمائدین کے ساتھ ایک نشست ہوئی جس میں بہت سے سیاسی وجہادی امور زیرِ بحث آئے۔ اس نشست میں قبائلی عمائدین نے مجاہدین کی مکمل حمایت کا اعلان کیا اور یقین دہانی کرائی کہ وہ جہاد میں ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔

ان حالات میں الحمدللہ جنگ کا دائرہ انتہائی محدود ہوچکا ہے، اور زیادہ تر لڑائی دارالحکومت موغادیشو اور اس کے گرد ونواح میں ہورہی ہے، جس کا اندازہ قارئین کو ذیل میں دی گئی تفصیلات سے ہو جائے گا۔

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	دھاوا	کمین
۶	۷	۲

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

صومالی فوجی	یوگینڈی فوجی
۷۰ ہلاک، ۲۰ زخمی	۵۴ ہلاک، ۲۵ زخمی

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

گاڑیاں	ٹینک
۳	۱

غنیمت: مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے ان کارروائیوں میں بیش بہا اسلحہ بھی بطور غنیمت حاصل کیا۔ اس میں ۹ عدد کلاشنکوف، ۱۵ عدد پیکا، ۶ عدد دھاون کے لانچر اور دیگر چھوٹا اسلحہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ مجاہدین نے ۹ عدد گاڑیاں بھی دشمن سے قبضے میں لیں، جن میں سے ۴ گاڑیوں پر طیارہ شکن 'دوشکا' بھی نصب تھی۔ وللہ الحمد!

آخر میں ایک بری خبر کا تذکرہ بھی کرتے چلیں کہ آج کل صومالیہ میں پچھلے چند سالوں کی خشک سالی کی وجہ سے قحط کا خطرہ بڑھ گیا ہے، اور بھوک وافلاس تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ یقیناً حرکۃ الشباب کے پاس اس قدر وسائل نہیں ہیں کہ قحط کی صورت میں وہ تمام صومالی مسلمانوں کو سہولتیں بہم پہنچا سکیں۔ مجاہدین 'اقوامِ متحدہ' اور ایسے دیگر اداروں کو بھی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ عوام کی امداد کریں کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے قطعاً خیر خواہ نہیں اور امداد کے نام پر سیاسی سرگرمیاں شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے میں پوری امتِ مسلمہ کو چاہیے کہ وہ آگے بڑھے اور اللہ کے راستے میں دل کھول کر خرچ کرے اور صومالیہ میں موجود اپنے بھائیوں کی بھرپور امداد کرے تاکہ انھیں قحط سے بچایا جاسکے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ قریباً تمام مسلم خطوں میں صومالی بھائی موجود ہیں، ان کے ذریعے صومالیہ میں موجود ان کے خاندانوں تک پہنچا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اپنے اپنے خطوں میں قابلِ اعتماد بھائیوں کو تلاش کیا جائے اور انھیں امداد دی جائے تاکہ وہ اسے صومالیہ پہنچا دیں۔ اس کے علاوہ دوسرا اہم کام یہ ہے کہ تمام مسلمان اللہ کے حضور دستِ دعا دراز کریں کہ اے اللہ! صومالیہ میں موجود ہمارے بھائیوں کو قحط کی مشکلات سے محفوظ رکھ، اور انھیں بھوک وافلاس کے فتنے سے بچا، اور انھیں اپنی پاکیزہ شریعت کی برکات سے نواز، آمین یارب العالمین!

بقعۂ ایمان وحکمت "یمن"

پچھلے چھ ماہ میں یمن کی صورتحال انتہائی خوش آئند رہی ہے۔ الحمدللہ، عوامی سطح پر پیدا ہونے والی بیداری نے یمن کے جنوبی علاقے میں حکومت اور فوج کا اثر ورسوخ کافی حد تک کم کر دیا ہے۔ اس دوران مجاہدین نے یہ کام سرانجام دیا کہ عوام المسلمین کو حقیقی منزل سے آگاہ کیا، شریعتِ اسلامیہ کی حاکمیت کی راہ ہموار کی اور جہاں یمنی فوج نے چڑھائی کی تو وہاں کامل استطاعت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور ان سے اپنا اور عوام المسلمین کا دفاع کیا۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں الحمدللہ مجاہدین نے عامۃ الناس کے ساتھ مل کر جنوبی یمن کے علاقے 'ابین' کے دارالخلافہ 'زنجبار' اور ایک اور شہر 'جار' پر اپنا مکمل تسلط قائم کر لیا ہے، اور وہاں حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ مجاہدین کی

اگلی منزل اب جنوبی یمن کا علاقہ 'عدن' ہے۔ الحمدللہ صدر عبداللہ صالح کے بھاگ جانے کے بعد اب حالات مزید ساز گار ہوتے جارہے ہیں۔ پوری امتِ مسلمہ کو چاہیے کہ وہ یمن میں مجاہدین اور عامۃ المسلمین کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انھیں وہاں اقتدار عطا فرمائیں اور وہ شریعتِ اسلامیہ کی برکات سمیٹیں، آمین!

سابقہ چھ ماہ کے عرصے میں مجاہدین کی کارروائیوں کے اعداد و شمار ذیل میں دیے جارہے ہیں۔

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

دھاوا	کمین	ٹارگٹ کلنگ	میزائل حملے	کار بم دھماکہ
۱۲	۱۵	۱۵	۱۲	۱

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

یمنی فوجی	یمنی پولیس	سعودی فوجی	خفیہ اہلکار	پولیٹکل سیکیورٹی اہلکار
۱۲۵ ہلاک، ۱۰۶ زخمی	۲ ہلاک، ۷ زخمی	۲ ہلاک، ۱ زخمی	۲ ہلاک، ۱ زخمی	۳ ہلاک

الحمدللہ ان ہلاکتوں میں یمنی فوج کے چھ اعلیٰ افسروں کی ہلاکت بھی شامل ہے۔

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

فوجی گاڑیاں	آئل ٹینکر اور ٹرک	صلیبی گاڑیاں
۷ تباہ	۲ تباہ	۱ تباہ

ان کارروائیوں کے نتیجے میں جہاں شہر فتح ہوئے، وہاں مجاہدین نے بیش بہا غنیمت بھی حاصل کی۔ ایک کارروائی میں مجاہدین نے ۲ بکتر بند، ایک ٹینک اور اسلحے سے بھرے ہوئے کئی ٹرک حاصل کیے، جبکہ ایک دوسری کارروائی میں ۱۴ اسلحے سے بھری ہوئی گاڑیاں اور ایک کروڑ یمنی ریال غنیمت کیے، والحمدللہ۔

مشرقی ترکستان

- ۱۵ شعبان ۱۴۳۲ھ: مشرقی ترکستان کے علاقے ہوٹن میں مجاہدین نے دستی بموں اور بارود کے ساتھ ایک پولیس تھانے پر حملہ کیا اور تھانے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ مجاہدین نے وہاں موجود بیشتر پولیس اہلکاروں کو ہلاک کر دیا اور کچھ کو یرغمال بنالیا۔ اس کے بعد پولیس کی مزید نفری بلائی گئی، اور ان کے اور مجاہدین کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا۔ یہ معرکہ ۲ گھنٹے تک جاری رہا جس میں بہت سے پولیس اہلکار مارے گئے جبکہ مجاہدین نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔
- ۲۷ شعبان: دو مجاہدین نے ایک ٹرک کو اپنے قبضے میں لیا اور اس کے ساتھ چینی کفار کے ایک مجمع پر چڑھ دوڑے۔ پھر نیچے اتر کر بھی دیگر کافروں کو فائرنگ کا نشانہ بنایا۔ اس کے نتیجے میں ۸ چینی مارے گئے جبکہ ۲۷ زخمی ہوگئے۔
- ۲۸ شعبان: کو مجاہدین نے ایک ہوٹل پر حملہ کیا جس میں تین پولیس اہلکاروں سمیت ۶ لوگ مارے گئے جبکہ دیگر ۱۵ زخمی ہوگئے۔

واضح رہے کہ یہ حملے اس وقت شروع ہوئے ہیں جب اس سے قبل چینی حکومت اور اس کے اہلکاروں نے احتجاج کرنے والوں ایغوری مسلمانوں کو اندھا دھند فائرنگ کر کے بڑی تعداد میں شہید کیا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں، ہمارے ترکستانی بھائی پچھلی نصف صدی سے چینی کافروں کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کے لیے پوری امت میں آواز اٹھانے والا کوئی نہیں۔ اجنبیت کی انتہاء ہوگئی۔ کفار کے غلام ذرائع ابلاغ اب بھی ان واقعات کو نسلی فسادات کہہ رہے ہیں، جبکہ چینی سیکیورٹی اہلکار چن چن کر مسلمانوں کو شہید کر رہے ہیں۔ خدارا! امتِ مسلمہ کو چاہیے کہ اپنے ترکستانی بھائیوں کے لیے آواز اٹھائیں، اور ہر ممکن صورت اختیار کر کے ان کی مدد کو پہنچیں۔ قتیبہ بن مسلم باہلی رحمہ اللہ کے جانشینوں کو اٹھنا ہوگا اور خبیث چین کے ہاتھ

روکنے ہوں گے! أللّٰهم انصر إخواننا المستضعفين في تركستان! (مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے ہمارا شائع کردہ مضمون: ''چین، ایک دوست ملک!؟'' حطین شمارہ ۵)

سرزمینِ پاکستان

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	شہیدی حملے	دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	میزائیل حملے	کمین
۵۳	۱۰	۷۵	۱۹	۱۵	۴

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

پاکستانی فوج	پولیس	ایف سی اہلکار + خاصہ دار
۱۶۸ ہلاک، ۲۱۱ زخمی	۲۹ ہلاک، ۹۵ زخمی	۲۵۰ ہلاک، ۳۳۷ زخمی
قبائلی لشکر	جاسوس	پاکستان نیوی
۶۳ ہلاک، ۳۴ زخمی	۶۷ ہلاک	۲۷ ہلاک، ۱۳ زخمی

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

فوجی گاڑیاں	نیٹو آئل ٹینکر اور کنٹینر	طیارے
۱۸ تباہ	۱۵۹ تباہ	۳ تباہ

بیشتر اعداد و شمار قبائلی علاقوں میں کی گئی کارروائیوں کے ہیں جہاں مجاہدین پاکستانی فوج اور دیگر سیکیورٹی اداروں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ نامساعد حالات کے سبب چونکہ مکمل تفصیلات سے آگاہی نہ ہو سکی لہٰذا درج بالا اعداد و شمار کو حقیقت کی ایک جھلک کے طور پر دیکھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی فوج نے جس علاقے میں بھی آپریشن شروع کیا، وہاں اسے منہ کی کھانی پڑی۔ اس وقت فوج علاقۂ محسود میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے، جہاں اسے چہار جانب سے دن

رات مجاہدین کے حملوں کا سامنا ہے۔ دوسری طرف فوج نے علاقۂ مہمند میں آپریشن شروع کیا تو وہاں بھی انھیں ہزیمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔

ان علاقوں سے وابستہ مجاہدین سے گذارش ہے کہ قارئین تک مکمل صورتحال پہنچانے میں ہماری مدد کریں اور اپنی تمام کارروائیوں کی تفصیلات ہمارے برقی پتے پر ارسال کریں، تاکہ اسے مسلمانانِ پاکستان کے سامنے لایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں، آمین!

اسبابِ مغفرت

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللّٰہ /ترجمہ: مولوی انور شاہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم ﷺ سے ایک حدیثِ قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یا ابن آدَمَ إِنَّكَ مَا دَعَوتَنِي وَرَجَوتَنِي غَفَرتُ لَكَ عَلى مَا كَانَ مِنكَ وَلاَ أُبَالِي.

يَا ابنَ آدَمَ لَو بَلَغَت ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّماءِ ثُمَّ استَغفَرتَنِي غَفَرتُ لَكَ.يَا ابنَ آدَمَ إِنَّكَ لَو أَتَيتَنِي بِقُرَابِ الأَرضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لا تُشرِكُ بِي شَيئاً لأَتَيتُكَ بقُرَابِها مَغفِرَةً"۔

"اے آدم کی اولاد! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے توقعات وابستہ رکھے گا، میں بھی تجھے معاف کرتا رہوں گا، چاہے تو جس حالت پر بھی ہو اور میں (تیرے گناہوں اور خطاؤں کی کثرت کی) کچھ پرواہ نہ کروں گا۔

اے آدم کی اولاد! اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں اور پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کردوں گا۔

اے آدم کی اولاد! بے شک اگر تو اتنی خطاؤں کا ارتکاب کرے جو زمین کو بھر دیں، پھر تیری ملاقات مجھ سے اس حالت میں ہو کہ تونے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو میں بھی تجھے زمین کے بھراؤ کے برابر بخشش کے ساتھ ملوں گا"۔[1]

یہی مضمون ایک دوسری حدیثِ قدسی میں بھی مروی ہے جسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

"يقول اللّٰه تعالى: مَن تَقَرَّبَ مِنّي شِبرًا تقرَّبتُ منهُ ذِرَاعًا، وَمَن تَقَرَّبَ مِنّي ذِرَاعًا تَقَرَّبتُ مِنهُ بَاعًا، وَمَن أَتَانِي يمشِي أَتَيتُهُ هَروَلَةً، وَمَن لقِينِي بِقرابِ الأَرضِ خَطِيَئةً لاَ يُشرِكُ بِي شَيئاً لَقِيتُهُ بِقُرَابِهَا مَغفِرَةً"۔

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہو گا تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوں گا، اور جو کوئی ایک ہاتھ میرے قریب ہو گا تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوں گا، اور جو کوئی چلتے ہوئے میری طرف آئے گا تو میں دوڑتے ہوئے اس کی طرف جاؤں گا، اور جو شخص مجھ سے (قیامت کے روز) اس حال میں ملے گا کہ اس کے گناہ زمین کے بھراؤ کے برابر ہوں گے مگر اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو گا تو میں اسی قدر بخشش کے ساتھ اس سے ملوں گا"۔[2]

ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک نقل فرماتے ہیں کہ:

"والذي نفسي بيده لو أخطأتم حتى تملأ خطاياكم ما بين السماء والأرض ثم استغفرتم اللّٰه لغفر لكم"۔

[1] جامع الترمذي؛ كتاب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب في فضل التوبة والإستغفار

[2] الصحيح لمسلم؛ كتاب الذكر والدعاء والتوبة، باب فضل الذكر والدعاء والتقرب إلى الله

"اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تم اس قدر گناہ کرو کہ آسمان اور زمین کے درمیان خلا تمہارے گناہوں سے بَھر جائے، پھر تم اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو تو وہ تمہیں ضرور معاف کردے گا"۔[۳]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ___ جو ہم نے سب سے پہلے ذکر کی ___ اس میں مغفرت کے تین اسباب ذکر کئے گئے ہیں۔ (آیئے اب ان تینوں اسباب کا تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں۔)

مغفرت کا پہلا سبب: قبولیت کی امید رکھتے ہوئے دعا کرنا

بخشش اور مغفرت کے اسباب میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ بندۂ مومن اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے دعا مانگے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کا حکم بھی دیا ہے اور اسے قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر:60)

"اور تمہارے رب نے کہا کہ تم مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا"۔

اور حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

" إن الدعاء هو العبادة " ثم تلا هذه الآية ۔

"بے شک دعا عینِ عبادت ہے" پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔[۴]

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من أعطي الدعاء أعطي الإجابة لأن اللّٰه تعالى يقول: ﴿أدعوني أستجب لكم﴾"۔

---

[۳] مسند أحمد ومسند أبي يعلى

[۴] سنن الأربعة، عن نعمان بن بشير رضي الله عنه

”جس شخص کو دعاء کی (توفیق) دے دی گئی، اس کی دعا قبول بھی کر لی گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تم مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا﴾“۔[۵]

ہاں! قبولیتِ دعا کی چند شرائط ضرور ہیں جن کا پورا کیا جانا ضروری ہے۔ اگر ان شرائط کا خیال نہ رکھا جائے تو دعا کی قبولیت پر اثر پڑتا ہے۔

قبولیتِ دعا کی اہم ترین شرط؛ حضورِ قلبی کے ساتھ اور قبولیت کی امید رکھتے ہوئے دعا مانگنا

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”أدعوا اللّٰه وأنتم موقنون بالإجابة وإن اللّٰه تعالٰى لا يقبل دعاء من قلب غافل لاه“۔

”تم جب بھی اللہ سے دعا مانگو، تو اس کی قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے مانگو! اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسی دعا قبول نہیں فرماتے جو غافل اور لاپرواہ دل سے نکلی ہو“۔[۶]

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”إن هٰذه القلوب أوعية فبعضها أوعى من بعض،فإذا سألتم اللّٰه فاسألوه وأنتم موقنون بالإجابة فإن اللّٰه لايستجيب لعبد دعاء من ظهر قلب غافل“۔

”بے شک دل برتن کی مانند ہوتے ہیں۔ پس بعض دل دوسرے دلوں سے طلبِ خیر کے معاملے میں آگے ہوتے ہیں۔ سو تم جب بھی اللہ سے سوال کرو تو اس حال میں کرو کہ تمہیں اس کی قبولیت کا یقین ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالی غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتے“۔[۷]

---

[۵] أخرجه الطبراني مرفوعًا۔ قال الهيثمي في مجمع الزوائد عنه: فيه محمود بن العباس وهو ضعيف۔

[۶] جامع الترمذي؛ كتاب الدعوات، باب ما جاء في جامع الدعوات عن النبیﷺ، ومسند أحمد۔ إسناده ضعيف عند العراقي، ولكن له شواهد، كما ذكر ذلك الشيخ عبد القادر الأرناؤوط۔

[۷] مسند أحمد۔ وهو حديث حسن كما ذكر ذلك الهيثمي، والشيخ عبدالقادر الأرناؤوط۔

اسی طرح اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ کوئی بندہ اپنی دعا میں یہ الفاظ کہے: اللّٰھم اغفرلي إن شئت یعنی "اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو میری مغفرت فرمادیں"، بلکہ جب بھی دعا مانگے تو پختہ یقین اور اعتماد سے مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں۔

نیز بندے کو اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وہ دعا کی قبولیت کے لیے جلد بازی کرے اور جب دعا فوری قبول نہ ہو تو دعا مانگنا ہی چھوڑدے۔ بندۂ مومن کو تو ہرگز دعا کی قبولیت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ دلجمعی کے ساتھ مسلسل دعا مانگنے والے کو پسند کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتے ہیں جو دلجمعی کے ساتھ برابر دعا کرتا رہے، چاہے دعا کی قبولیت میں دیر ہو جائے۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الأعراف: 56)

"اور تم اللہ کو ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت کی) امید رکھتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیک بندوں کے قریب ہے"۔

پس جو بندہ برابر دلجمعی کے ساتھ دعا مانگتا ہے، قبولیت کی امید رکھتا ہے اور دعا کے فوری قبول نہ ہونے کے سبب ناامید نہیں ہوتا تو اس کی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے، کیونکہ جو شخص پابندی سے دروازہ کھٹکھٹاتا رہے تو امید ہوتی ہے کہ اس کے لیے دروازہ کھول ہی دیا جائے گا۔

ایک مرفوع روایت میں آتا ہے کہ:

"لا تعجزوا في الدعاء فإنه لن يهلك مع الدعاء أحد"۔

"تم دعا کرنے سے ہاتھ مت کھینچنا، کیونکہ (زیادہ) دعائیں کرنے سے کوئی ہلاک نہیں ہو گا (یعنی کثرت سے دعا کرنے میں انسان کا کوئی نقصان نہیں، بلکہ سراسر فائدہ ہے)"۔[۸]

---

[۸] المستدرک علی الصحیحین للحاکم؛ کتاب الدعاء والتکبیر

اہم ترین دعا یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے

دعاؤں میں سے اہم ترین دعا یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے، اور جہنم سے نجات اور جنت میں داخلے کی دعا کرے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک بدوی صحابی سے پوچھا کہ تم نماز میں کیا پڑھتے ہو تو وہ کہنے لگا:

"أَتَشَهَّدُ ثُمَّ أَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ. أَنَا وَاللَّهِ مَا أُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلاَ دَنْدَنَةَ مُعَاذٍ".

"میں تشہد پڑھتا ہوں اور پھر یہ دعا مانگتا ہوں: اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے علاوہ واللہ! مجھے آپ کی اور معاذؓ کی طرح لمبی لمبی مناجات کرنا نہیں آتا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

" حَوْلَها ندندن يا أخا العرب (يعني حول سؤال الجنة والنجاة من النار) ".

"اے عرب بھائی! ہماری مناجات کا مقصد بھی یہی ہے جو تم کہہ رہے ہو، (یعنی ہماری دعاؤں کا مقصد بھی جنت کی طلب اور جہنم سے نجات پانا ہے، اور تمہاری دعا بھی یہی ہے)"۔[۹]

قبولیتِ دعا کے مراتب

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ بعض اوقات کوئی بندہ اپنی دنیاوی حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وہ حاجت تو پوری نہیں فرماتے لیکن اس کے بدلے اپنے بندے کو اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتے ہیں۔ مثلاً:

- اللہ تعالی اس دعا کی وجہ سے کسی برائی کو اس سے دور کر دیتے ہیں،

---

[۹] صحيح ابن حبان، ومسند أحمد

- یا اس کی دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیتے ہیں،
- یا اس کے کسی گناہ کو معاف کر دیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

" ما من أحد يدعو بدعاء إلا آتاه الله ما سأل أو كفّ عنه من السوء مثله، ما لم يدع بإثم أو قطيعة رحم" ۔

"جو شخص بھی کوئی دعا مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ (اس کی دعا قبول فرما کر) یا تو اسے وہی چیز عطا کر دیتے ہیں، یا پھر اس کے مثل کوئی برائی اس سے دور فرما دیتے ہیں، الا یہ کہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا کرے (یعنی گناہ یا قطع رحمی کی دعا کبھی قبول نہیں ہوتی)"۔[10]

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

"ما من مسلم يدعو بدعوة ليس له فيها إثم أو قطيعة رحم إلا أعطاه الله بها إحدى ثلاث: إما أن يعجل له دعوته، وإما أن يدخّرها له في الآخرة، وإما أن يكشف عنه من السوء مثلها.

"جب بھی کوئی مسلمان ایسی دعا مانگتا ہے جس میں گناہ یا قطع رحمی کی بات نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا کرتے ہیں:

- یا تو اس کی وہی دعا جلد قبول فرما لیتے ہیں،
- یا اس کی دعا کو اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتے ہیں،
- یا اسی کے مثل کوئی برائی اس سے دور فرما دیتے ہیں"۔

(یہ سن کر) صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے:

" إذًا نكثر"

"اب تو ہم خوب کثرت سے دعا کریں گے"۔

---

[10] رواه أحمد والترمذي عن جابر رضي الله عنه

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللّٰه أكثر"

"اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر دعا قبول کرنے والا ہے"۔[11]

امام طبرانیؒ نے سابقہ روایت میں "أو يكشف عنه من السوء مثلها" کی جگہ یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ:

"أو يغفر له بها ذنبًا قد سلف"۔

"یا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کا کوئی سابقہ گناہ معاف کر دیتے ہیں"۔

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہی بخشش کی امید رکھنا:

مغفرت و بخشش کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے بخشش کی امید رکھے۔ پس صرف اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگنا بخشش کا خاص سبب ہے۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"أَنَا عِندَ ظَنِّ عَبدِي بِي فَلْيَظُنَّ بِي مَا شَاءَ"۔

"میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، پس مجھ سے جیسا چاہو گمان رکھو"۔[12]

ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

"يأتي الله بالمؤمن يوم القيامة فيقرّبه حتى يجعله في حجابه من جميع الخلق، فيعرّفه ذنبا ذنبا أتعرف؟ أتعرف؟ فيقول: نعم نعم، ثم يلتفت العبد يمنة ويسرة. فيقول الله تعالى: لا بأس عليك يا عبدي أنت فى ستري من جميع خلقي، ليس بيني وبينك أحد يطلع على ذنوبك غيري، غفرتها لك بحرف واحد من جميع ما أتيتني به.

---

[11] رواه أحمد والحاكم عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه

[12] المستدرک على الصحيحين؛ كتاب التوبة والإنابة

قال: ما هو يا رب؟ قال: كنت لا ترجو العفو من أحد غيري"۔

"قیامت کے روز اللہ تعالی بندۂ مومن کو اپنے قریب فرمائیں گے، یہاں تک کہ اسے تمام مخلوق سے (علیحدہ کرکے) اپنے پردہ میں لے جائیں گے (اور پھر اللہ تعالیٰ) اسے اس کا ایک ایک گناہ یاد دِلائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ کیا تجھے یہ گناہ یاد ہے؟ کیا تجھے یہ گناہ یاد ہے؟ بندہ کہے گا: جی ہاں، جی ہاں (یعنی اپنے گناہوں کا اعتراف کرے گا)۔ پھر (وہ شرمندگی سے) اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگے گا۔ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ اے میرے بندے! تو پرواہ نہ کر کیونکہ تو تمام مخلوق سے پوشیدہ میرے پردے میں ہے۔ میرے اور تیرے علاوہ کوئی نہیں جو تیرے گناہوں سے واقف ہو۔ پس میں نے تیرے ایک حرف کی وجہ سے تیرے تمام گناہ بخش دیئے۔ بندہ کہے گا کہ اے میرے رب! وہ کیا ہے؟ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ: (وہ یہ ہے کہ) تو میرے علاوہ کسی اور سے معافی کی امید نہیں رکھتا تھا"۔[۱۳]

پس بخشش کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ بندہ کوئی گناہ کرے تو وہ اللہ کے سوا کسی اور سے معافی کی امید نہ رکھے اور جان لے کہ گناہوں کو بخشنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

بندے کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ کا عفو و درگزر اس سے کہیں زیادہ ہے:

مذکورہ بالا حدیثِ انس کے ان الفاظ: "إنك ما دعوتني ورجوتني غفرت لك ما كان منك ولا أبالي" کا مطلب یہ ہے کہ اے آدم کی اولاد! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے توقعات وابستہ رکھے گا تو میں تیرے گناہوں اور تیری خطاؤں کی کثرت کی کچھ پرواہ نہیں کروں گا اور تجھے معاف کرتا رہوں گا، اور یہ میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"إذا دعا أحدكم فليعظم الرغبة، فإنه لا يتعاظم على الله شيئ"۔

---

[۱۳] أخرجه الهيثمي في مجمع الزوائد عن سعيد بن جبير عن ابن عمر مرفوعًا مع اختلاف اللفظ، وعزاه إلى الطبراني، وقال: فيه القاسم بن بهرام وهو ضعيف

"جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو پوری رغبت کے ساتھ دعا مانگے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ (کی قدرت و مغفرت) سے کوئی چیز بڑی نہیں"۔[14]

کسی بندے کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے عفو و مغفرت کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹے ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور وہ کہہ رہا تھا کہ:

"واذنوباه" یعنی "ہائے میرے گناہ"۔

اس شخص نے یہ (جملہ) دو یا تین مرتبہ دہرایا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

" قل: اللّهم مغفرتك أوسع من ذنوبي، ورحمتك أرجى عندي من عملي"۔

"کہو: اے اللہ! میرے گناہوں کے مقابلے میں تیری مغفرت زیادہ بڑی ہے اور میں اپنے عمل سے بڑھ کر تیری رحمت سے زیادہ امید رکھتا ہوں"۔

پھر اس شخص نے یہ (دعا) پڑھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوبارہ پڑھو! اس نے دوبارہ پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوبارہ پڑھو! اس نے پھر (یہی دعا) پڑھی۔ آخر حضور ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ:

"قم! قد غفر اللّٰه لك"۔

"اٹھو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا"۔[15]

اسی بات کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے کہ:

يَا رَبِّ إِن عَظُمَت ذُنُوبِي كَثرَةً	فَلَقَد عَلِمتُ بِأَنَّ عَفوَكَ أَعظَمُ
إِن كَانَ لاَ يَرجُوكَ إِلاَّ مُحسِنٌ	فَمَن الَّذِى يَدعُو وَيرجو المُجرِمُ
مَا لِي إِلَيكَ وَسِيلَةٌ إِلاَّ الرَّجَا	وَجَمِيلُ عَفوِكَ ثُمَّ إِنِّي مُسلمُ

[14] صحیح ابن حبان، وکذا في الدعوات الکبیر للبیهقي

[15] المستدرک علی الصحیحین؛ کتاب المناسک

(اے میرے رب! اگرچہ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں مگر بلا شبہ میں جانتا ہوں کہ تیرا عفو و درگزر (میرے گناہوں سے) بھی بڑھ کر ہے۔ اے اللہ! اگر صرف نیک آدمی تجھ سے امید رکھتا ہو تو مجرم کس سے امید رکھے اور کس سے معافی مانگے؟! اے اللہ! تیری رحمت کی امید اور تیرے عفو پہ بھروسے کے سوا میرے پاس اور کوئی وسیلہ نہیں جسے لے کر میں تیرے دربار میں حاضر ہوں۔ اور ہاں! کچھ بھروسہ اس بات پر بھی ہے کہ آخر میں مسلمان ہوں۔)

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

قارئین کے مراسلات

ادارہ حطین

✉ میرے عزیز ساتھیو، بھائیو اور جو لوگ بھی ادارۂ حطین سے منسلک ہیں!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ان کاوشوں پر میں آپ سب کو مبارک باد کا مستحق سمجھتا ہوں۔ آخر الزمان کی احادیث کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دجالی دور ہے، اور آپ لوگ ایسے دور میں حطین کی طباعت اور اشاعت کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ صرف اور صرف اللہ رب العزت کی امتِ مسلمہ پر مہربانی ہے کہ اس نے ایسے لوگ اس امت میں پیدا کیے جو کسی نہ کسی محاذ پر کفر کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں، آمین!

ویسے تو میں حطین کا کافی عرصے سے قاری ہوں، لیکن اس مرتبہ (یعنی سابقہ شمارے میں) مدیر صاحب کی تحریر ''اہلِ پاکستان؛ ایک فیصلہ کن دوراہے پر'' پڑھنے کے بعد میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ مزید پاکستانی مسلمانوں تک یہ بات کس طرح پہنچائی جا سکتی ہے۔ میرے خیال میں حطین کی با قاعدہ طباعت اور اشاعت نہیں ہو پاتی ہو گی، لیکن پھر بھی دوسرے مسلمانوں تک اپنی بات پہنچانے کا یہی سب سے بہتر ذریعہ ہے کیونکہ ذرائع ابلاغ تو سارے کفر کے شکنجے میں ہیں۔ میری یہ میل بھی شاید ان کے پاس سے ہوتے ہوئے ہی آپ تک پہنچتی ہو گی۔ بہر حال حطین کی جب بھی اشاعت ہو تو آپ چند عدد میری طرف ارسال کر دیا کریں۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا اور اس طرح شاید میرے بھی کچھ گناہ کم ہو سکیں گے ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

عبد الاحد رحمانی، سندھ

✉ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سب سے پہلے میں آپ کا اور جو لوگ آپ کے شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں مثلاً **'ادارہ السحاب'** کا شکر گزار ہوں کہ آپ لوگ مجاہدین اور اہلِ حق کے بارے میں کفار کی طرف سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ کر رہے ہیں اور کفر کا مکروہ چہرہ بے نقاب کرنے کا عظیم کام سر انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے بدلے بہترین اجر سے نوازے اور صراطِ مستقیم پہ جمائے رکھے، آمین!

عبد الغفّار، سرحد

✉ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

سابقہ شمارے میں شائع شدہ مضمون ''جہاد فی سبیل اللہ میں حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب الانصاریہ رضی اللہ عنہا کا کردار'' خواتین کو جگانے کی بہترین کوشش ہے، کیونکہ عموماً خواتین یہی سوچ کر اس اہم فریضے کو ادا کرنے سے رہ جاتی ہیں کہ جہاد تو فقط مردوں پر ہی فرض ہے اور وہی یہ کام کر سکتے ہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر بے ساختہ یہ جذبہ ابھرتا ہے کہ اگر ہماری ہی طرح کی گوشت پوست سے بنی عورتیں ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دے سکتی ہیں تو کیا ہم کچھ نہیں کر سکتیں؟ گو کہ ہمارا اور ان صحابیات رضی اللہ عنہن کا کوئی مقابلہ نہیں؛ ہم کمزور دل اور کمزور ایمان والیاں ہیں، لیکن پھر بھی جس قدر ہو سکے، ہمیں اس فریضے کی ادائیگی میں اپنے حصے کا کردار ادا کرنا چاہیے کیونکہ صرف مردوں کے جہاد کر لینے سے ہم پر عائد فرض ادا نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ سب بھائیوں کو جو اس کارِ خیر میں حصہ ڈال رہے ہیں، اپنے مقصد میں کامیاب فرمائیں۔ آمین!

بنت نذر محمد، پنجاب

اپنی آراء و تجاویز ہمیں ان برقی پتوں پر ارسال کیجیے:

idara.hitteen@yahoo.com

idara.hitteen@gmail.com

طاغوت کے سامنے کلمۂ حق کہنا

ہمارے ملکوں میں ظلم اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور ہم نے اس کا انکار اور مقابلہ کرنے میں بہت تاخیر کر دی ہے۔ لہٰذا اب جو شروع کرے تو اسے پورا کرے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، اور جس نے اب تک شروع نہیں کیا تو اسے چاہیے کہ وہ حالات کے مطابق تیاری کرے اور رسول اللہ ﷺ کی اس صحیح حدیث میں غور کرے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"مجھ سے پہلے جس امت میں بھی اللہ نے کوئی نبی بھیجا تو اس کی امت میں اس کے کچھ حواری اور ساتھی ضرور ہوتے تھے جو اس کی سنت پر چلتے اور اس کے حکم کی پابندی کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد کچھ ناخلف آئے (جن کا طرزِ عمل یہ تھا کہ) جو کہتے وہ کرتے نہیں اور کرتے وہ جس کا انھیں حکم نہیں دیا جاتا۔ پس جس نے ان کے خلاف اپنے ہاتھ کے ذریعے جہاد کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے ان کے خلاف اپنی زبان کے ذریعے جہاد کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے ان کے خلاف اپنے دل سے جہاد کیا تو وہ مومن ہے، اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں"۔

(صحیح مسلم)

فقول الحق للطاغي   هو العز هو البشرى

هو الدرب إلى الدنيا   هو الدرب إلى الأخرى

فإن شئت فمت عبدًا   وإن شئت فمت حرًا

(طاغوت کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہی عزت و خوش بختی ہے۔ یہی دنیا میں زندگی کا ضامن ہے اور یہی آخرت کی کامیابیوں کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ سو اب چاہو تو غلامی میں جان دو اور چاہو تو آزاد انسانوں کی طرح موت کو گلے لگاؤ)

(شیخ اسامہ بن محمد بن لادن رحمہ اللہ کا خطاب)